نیا ایوارڈ

آئینی اُلجھن اور انگریز کا فتوےٰ

روشن لال ایم۔اے
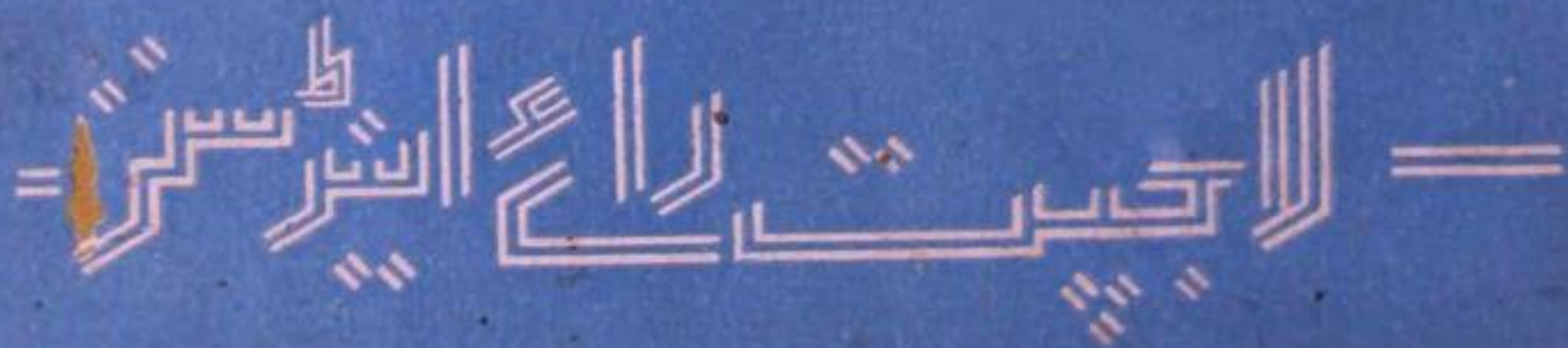
ایک طرف بے پناہ غربت اور لاچاری ہے۔ بھوک ہے۔ بیماری اور بے وقت کی موت ہے۔ اور دوسری طرف بے اندازہ امیری ہے۔ آنکھیں چندھیا دینے والے بجلی کے قمقموں کی فضا۔ رقاصاؤں کی دلفریبیاں۔ نوٹوں کی بارش۔ مسلسل دعوتیں۔ مسرتیں اور قہقہوں کی گونج۔ دونوں جہان ایک دوسرے کے بالمقابل آباد ہیں۔ بھوک اور لاچاری کی دنیا سے اگر کوئی شخص قسمت سے دیوار پھاند کر قہقہوں سے معمور دنیا میں آ جاتا ہے تو اپنے ہمراہیوں کی مجبوریاں بھول جاتا ہے۔ اور اگر دلفریبیوں کی دنیا سے کوئی بشر غربت کی دنیا کی طرف لڑھک جاتا ہے۔ تو لگاتار روشنی کی طرف آنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ دونوں طرف ہر مذہب کے لوگ ہیں۔

کاش کہ ہندوستان میں کوئی لینن پیدا ہو جو دونوں دنیاؤں کے درمیان کی مشکل عبور دیوار کو منہدم کر دے۔

روشن لال

"جے ہند"

آئینی اُلجھن
اور انگریز کا فتوے

پبلشرز

لاجپت رائے اینڈ سنز

تاجران کتب - لاہور

بار اول

قیمت تین روپے

فہرست مضامین

شہید آزادی - فرشتہ خصلت

سورگیہ - شری یت - سنتیہ پال آزاد کے نام

جنکے ایثار اور قربانی کی مثال نہیں ملتی

دیباچہ

جس روز انگریز کا فتوے اخباروں میں چھپا شام کو روشن لال مجھے ملے دریافت کرنے پر میں نے کہا کہ انگریز کا فتوے بڑا بھاری دھوکا اور پیچیدہ پھندہ ہے۔ انہیں یہ بات بھلی نہ معلوم دی۔ کہنے لگے

”میں تو اس حق میں ہوں کہ یہ تجاویز مان لی جائیں“

”ہاں۔ چوں چراں کے بعد تجاویز تو مان ہی لی جائیں گی۔ مگر کیا اس سے ہندوستانی عوام کو شمہ بھر فائدہ پہنچے گا؟ کیا مکمل آزادی مل جائے گی؟“ مجھے اپنے سوالات کے جواب حاصل کرنیکی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ میں بخوبی سمجھتا تھا کہ ان کا کوئی جواب نہیں۔

میرا آزادی کا تصور قومی جمہوری انقلاب ہے۔ سوشلزم اور مساوات تو دور کی بات ہیں۔ مگر ہندوستانی عوام کی زندگی بہتر بنانے کے لئے قومی جمہوری انقلاب پہلا ضروری قدم ہے۔ موجودہ سیاسی اور اقتصادی نظام بوسیدہ اور ناکارہ ہے اسکی بنیادیں ہل چکی ہیں۔ جبتک کسان کو دیہاتی قرضہ سے نجات نہ ملے گی۔ اسکے اور حکومت کے درمیان نکمے جاگیردار کی لوٹ کھسوٹ بند نہ ہوگی کھیتی باڑی کا طریقہ بدلا نہ جائے گا اور صنعتی انقلاب کے ذریعہ بڑھتی ہوئی آبادی کو کارخانوں میں روزگار نہ ملے گا ملک کی حالت سدھرنے کی کوئی صورت نہیں۔ قحط صرف اس سال یا اگلے سال کی بات نہیں ہمیں ایک مستقل قحط کا سامنا کرنےکے لئے تیار رہنا چاہئے اگر کھیتی باڑی کا نظام ایک سرے سے بدلا نہ گیا اگر کروڑوں لوگوں کو ذبح نہیں ہونا ہے تو انہیں قومی جمہوری انقلاب بپا کرنا ہی ہوگا۔ یہ ایک لازمی تاریخی فرض ہے جو ادا کرنا ہی پڑے گا۔

۱۹۲۲ میں مصر کی مکمل آزادی کا اعلان کیا گیا تھا۔ مگر نیچے دیئے ہوئے چار خاص حقوق انگریز نے اپنے لئے ریزرو کر رکھے۔

۱۔ مصر میں سلطنت کے رسائل آمدورفت کی حفاظت۔

۲۔ مصر کی فوجی حفاظت۔

۳۔ مصر میں ودیشی ممالک کے کاروبار کی نگہبانی۔

۴۔ مصر اور سوڈان کی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت۔

جب مصر کے نمائندوں نے ان شرائط پر آزادی لینے سے انکار کیا تو مارشل لا رائج کر کے توپ اور بندوق کے زور سے مصر کی آزادی قائم کر دی گئی۔ آج پورے ۲۴ سال بعد بھی مصر برطانیہ کا ویسا ہی غلام ہے جیسا پہلے تھا انگریز جب کوئی منصوبہ باندھتا ہے تو سالوں پہلے اسکی داغ بیل ڈالتا ہے چنانچہ اس مرتبہ بھی جنگ کے دوران میں ہی پروفیسر کوپ لینڈ صاحب ہندوستان تشریف لائے اور یہاں کی سیاسی صورت حالات کا مشاہدہ اور ملاحظہ کرنیکے بعد ولایت جاکر ایک کتاب کی صورت میں ہندوستانی سیاسی مسئلہ کا حل پیش کیا۔ چرچل شاہی نے پروفیسر کوپ لینڈ اور انکی کتاب کی خوب اشتہار بازی کی تاکہ دنیا کے ذہن کو انگریز کے ہندوستان سے متعلق فتوے کیلئے پہلے سے تیار کر دیا جائے۔ دوسری طرف پروفیسر ہل کو ہندوستان کے سائنس دانوں سے روشناس ہونیکے لئے بھیجا۔ مگر تہ میں چال یہ تھی کہ وہ ہندوستانی کارخانہ داروں کا انگریزی سرمایہ داروں سے جوڑ توڑ کرا دے۔ ۱۹۴۲ء کی انقلابی تحریک میں ٹاٹا۔ برلا نے اسلئے ساتھ دیا کہ اگر کانگرس کے عوامی دباؤ کی وجہ سے سیاسی طور پر انگریز کا وقار گھٹ گیا تو اقتصادی میدان سے بھی انگریز کو پچھاڑ دینا مشکل نہ ہوگا۔ مگر تحریک کی ناکامیابی کے بعد یہ قدرتی تھا کہ وہ انگریز سرمایہ دار کے ساتھ ساجھے داری کر کے کروڑوں کمائیں۔ چنانچہ جون ۱۹۴۵ء میں برلا۔ نیوفیلڈ معاہدہ ہوا جسکی رو سے نیوفیلڈ کمپنی کی تیار کردہ موٹر کاریں سیٹھ برلا شودیشی کے نام پر ہندوستانی مارکیٹ میں فروخت کرینگے یہ یاد رہے کہ نیوفیلڈ برطانوی سلطنت کا فورڈ ہے اور اسکے مقابلہ میں سیٹھ برلا کی ہستی ایسی ہی ہے جیسے مچھر کی ہاتھی کے مقابلہ میں۔ اور دسمبر ۱۹۴۵ء میں ٹاٹا نے امپیریل کیمیکل انڈسٹریز کے ساتھ معاہدہ کیا جس سے رنگ سازی کی بنیادی صنعت میں انگریزی سرمایہ کو مستقل ساجھے داری مل گئی۔ جب مئی ۱۹۴۵ء میں ہندوستانی مل مالکوں کا وفد انگلستان اور امریکہ کے دورہ کے لئے روانہ ہونیوالا تھا۔ گاندھی جی نے ایک زوردار بیان کے ذریعہ تنبیہ کی کہ ہندوستانی کارخانہ دار اپنے نجی فائدہ کیلئے قوم کے مفاد نہ بیچیں سیٹھ گھنشیام داس برلا نے ۱۲ مئی کو روکھا اور متکبرانہ جواب دیا "میں مناسب نہیں سمجھتا کہ سیاسی سمجھوتے کی آس میں ہم صنعتی ترقی کو ایک غیر معین عرصہ کیلئے ملتوی کر دیں"۔ بعینہٖ یہی بات سر آردیشیر دلال نے

سنٹرل اسمبلی میں کہی۔ اپنے شخصی مفاد کو کون قوم کیلئے قربان کرتا ہے؟ کم از کم سرمایہ دار جاگیردار اور مہاراجہ لوگ تو نہیں
اس ملک میں ہزاروں نہیں لاکھوں ایسے لوگ ہیں جو امریکہ کو جمہوریت کا قلعہ خیال کرتے ہیں جنگ کے دوران
میں ہمارے قوم پرست اخبار سرخیاں دیا کرتے تھے کہ امریکہ ہندوستان کو آزاد کرانے کیلئے نہایت بے تاب ہے۔ مگر اب
تو یہ حال ہے کہ بیچاری حکومتِ ہند کے یتیم نمائندے واشنگٹن میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں نہ تو امریکہ
گیہوں دینے کو تیار ہے نہ نیوز پرنٹ اور نہ مشینری۔ انگریز کوبرہ سانپ کی طرح ہندوستان کے
۱۷۵۰ کروڑ کے لگ بھگ سٹرلنگ قرضہ پر قبضہ جمائے بیٹھا ہے۔ نہ تو اسے ڈالروں میں بدلنے کو
تیار ہے اور نہ اسکے خود کے پاس مشینری ہے جو ہندوستان بھیج دے۔ کمال تو یہ ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد بھی
یہ قرضہ بڑھتا جا رہا ہے اور اسکے عوض کاغذی نوٹ چھاپے جا رہے ہیں۔ مثلاً اگست ۱۹۴۶ سے لیکر ۱۱ جنوری ۱۹۴۷
تک یہ سٹرلنگ قرضہ [illegible] کروڑ سے ۱۱۲۰ کروڑ ہو گیا اور کرنسی کا پھیلاؤ [illegible] کروڑ سے ۱۲۳۶ کروڑ
امریکہ نے انگلستان کو مندرجہ ذیل شرائط پہ قرضہ دیا۔

۱۔ ہندوستان کے سٹرلنگ قرضہ کا ایک حصہ سمجھوتے کے ایک سال بعد تک ڈالروں میں تبدیل کر دیا جائے۔

۲۔ ۱۹۵۱ سے لگاکر قسطوں کی صورت میں ادا ہو۔

۳۔ باقی بعد از جنگ کے قرضہ جات میں مجرہ لے لیا جائے۔

امریکہ کی کوشش ہے کہ اگر سٹرلنگ قرضہ ادا ہو تو وہ ڈالروں کی صورت میں نہ ہو بہتر ہے کہ اسے منسوخ ہی کر دیا جائے
اور انگریزی ماہر اقتصادیات بھی زور دیتے ہیں کہ مال بہت ہی مہنگی قیمتوں پر خریدا گیا تھا۔ لہٰذا سٹرلنگ قرضہ گھٹا کر کم کر دیا جائے
جہاں تک خیال ہے یہ قرضہ مشکل ہی سے وصول ہوگا۔ قرضہ کی وصولی کیلئے آزادی اور فوج کی ضرورت ہیں اور یہ دونوں ہی
ہندوستان کو نصیب نہیں۔

یہاں کے لوگوں کو امریکہ کے چند آزاد خیال اخبار نویسوں کے مضامین پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے جس سے وہ سمجھنے لگے
کہ امریکہ کا سارا پریس ہی لوئی فشر، پرل بک اور گنتھر کی طرح ہندوستان کی آزادی کی حمایت کرتا ہے مگر
سچائی اسکے بالکل برعکس ہے۔ امریکہ کے بڑے بڑے سارے اخبار کارخانہ داروں کی ملکیت ہیں۔ یہ کارخانہ دار
انگریز سرمایہ داروں کے ساجھے دار اور بھتیجے ہیں۔ پھر کسطرح ہو سکتا ہے کہ امریکن پریس انگریزی سلطنت کی
مخالفت کرے۔ چنانچہ ۱۹۴۲ میں لوئی فشر کے امریکہ لوٹنے کے بعد ایسا ہی ہوا۔ سب بڑے اخباروں نے
لوئی فشر کے مضامین کا بائیکاٹ کیا۔

آج کسی بھی قوم اور ملک کا سامراج اکیلے اپنی ہستی قائم نہیں رکھ سکتا۔ ملایا، سنگاپور اور برما پر دوبارہ قبضہ بحال کرنے کیلئے ضروری ہے کہ برطانیہ ہند چینی اور انڈونیشیا کے قوم پرستوں کی سرکوبی کرے۔ یونان کو اپنے رسوخ کے دائرہ میں رکھنے کیلئے ۴½ کروڑ پونڈ کا قرضہ معاف کردے اور ایک کروڑ پونڈ کا نیا قرضہ بلا سود دے۔ اٹلی میں اپنے ڈھب کی حکومت قائم کرے۔ نیز سپین کے معاملہ میں مداخلت کرنے سے کنی کاٹے۔

جب سامراج شاہی کی طاقتیں ایک محاذ پر اکٹھی ہو رہی ہوں تو آزادی پسند عناصر کو بھی متحد ہو کر جد و جہد کرنی چاہیئے۔ لیکن یہاں کے سرمایہ دار اب بھی برطانیہ اور امریکہ کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور اور انہیں مشورہ دیتے ہیں کہ آزادی حاصل ہونے کی صورت میں وہ "جمہوریت" کا ساتھ دیں گے۔ اگر جنگ کے دوران میں ہندوستانی قوم پرست انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے جاپان کی مدد لینے سے بھی نہ جھجکے تو اب کیا وجہ ہے کہ وہ انگریز اور امریکہ کے مخالف دھڑے سے اشتراک عمل نہ کریں؟ بات یہ ہے کہ یہاں کے سرمایہ دار، جاگیردار اور راجہ لوگ سماجی نظام میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں چاہتے۔ اگر کسی معجزہ کی بدولت نظام بھی یہی رہے اور آزادی بھی آجائے تو وہ خوش آمدید کہیں گے ورنہ وہ برملا انگریز سے مل جائیں گے۔ لہٰذا آج ان کو روس کے حملہ کی فکر دامنگیر ہے صدیوں سے چلی آئی غلامی کا نہیں!

بقول پنڈت جواہر لال نہرو موجودہ ۵۶۰ دیسی ریاستیں برطانوی سامراج کی اولاد ہیں۔ برطانوی کیبنٹ مشن نے ہندوستان میں آتے ہی سب سے پہلے راجاؤں سے ملاقات کی اور پہلی ہی پریس کانفرنس میں اعلان کر دیا کہ کیونکہ ریاستوں میں جمہوری ادارے نہیں اسلئے ریاستوں کے معاملہ میں راجاؤں کے علاوہ کسی اور کا مشورہ لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں یہ یاد رہے کہ جب سر کرپس ۱۹۴۲ میں ہندوستان آیا تو اس نے شری پٹا بھی سیتا رامیہ سے بطور کل ہند ریاستی پرجا کانفرنس کے نمائندہ کے ملاقات کی تھی مگر اس بار مشن ولایت سے ہی فیصلہ کر کے آیا تھا کہ راجاؤں کو مکمل آزادی دی جائے۔ یہاں آکر مشن نے سب سے پہلے راجاؤں سے معاہدہ کیا اور اسے پورے ایک ماہ سے زائد تک خفیہ رکھا۔ راجاؤں کو چودھری بنا دیا گیا۔ وہ قومی لیڈروں سے ملاقاتیں کرنے گئے جیسے کہ آزادی کے لئے کلیجہ تڑپ رہا ہو!

ریاستوں کے مستقبل کے متعلق وزارتی مشن کے میمورنڈم کا مطلب یہ ہے کہ عارضی حکومت کے زمانہ تک تو برٹش سرکار ریاستوں کو بدستور اپنی تحویل میں رکھے گی اسکے بعد والیان ریاست پہلے سے بالکل خود مختیار بن جائینگے۔ اگر ہندوستان کی آئندہ حکومت والیان ریاست کے متعلق کسی طرح ذمہ دار نہیں تو اس بات

کی گیا ضمانت ہے کہ ریاست مستقل طور پر بدامنی کا مرکز نہ بنیں گی۔ اگر پیرامونٹسی ایسٹ انڈیا کمپنی سے بدل کر برطانوی تاج کے حوالہ ہو سکتی ہے اور پھر دوبارہ تاج سے برٹش انڈین گورنمنٹ کو تو کیا وجہ ہے کہ یہ سرداری ہندوستان کی نئی گورنمنٹ کے نام منتقل نہیں ہو سکتی؟

کیبنٹ مشن کی تجاویز سے اور کسی کو آزادی ملی ہو یا نہ ریاستی عوام کو تو دائمی غلامی کا پٹہ مل گیا۔ ریاستوں کے مسئلہ کا حل یہی ہے کہ یا تو والیانِ ریاست کو پنشن دیکر الگ کر دیا جائے اور ریاستیں برطانوی ہندوستان میں شامل کر دی جائیں اور یا ہندوستان کی آئندہ یونین گورنمنٹ کو بھی والیان ریاست پر وہی اقتدار حاصل ہو جو برٹش گورنمنٹ کو پچھلی صدی میں رہا۔

یونین گورنمنٹ کی ساری اکائیاں بنیادی طور پر ایک ہی قسم کی ہونی چاہئیں۔ یہ نہیں کہ دو اکائیوں میں جمہوری راج ہو تو تیسری میں راجاؤں کی نادر شاہی۔ دیسی ریاستوں کے نمائندے بھی پرجا کے چنے ہوئے ہونے چاہئیں۔

۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے ہاؤس آف کامنز میں ہندوستان کے مستقبل سے متعلق ایک تاریخی اعلان پڑھا۔ جہاں تک اعلان کی لفاظی اور جذبات کا تعلق ہے یہ انگلینڈ اور ہندوستان کے مابین تعلقات کی لمبی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مسٹر اٹیلی نے دو ٹوک کہا۔ "ہمیں اقلیتوں کے حقوق کا خیال ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اقلیتیں بے حرمتی سے آزاد ہو کر آزاد زندگی بسر کریں لیکن ہمیں اس بات کا بھی پورا احساس ہے کہ کسی ایک اقلیت کو ایک اکثریت کی ترقی کا راستہ روک کر کھڑا ہو جانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی"۔ جب بیان کا یہ حصہ ہندوستان میں پڑھا گیا تو تمام کانگرسیوں کو بے حد خوشی ہوئی۔ چوٹی کے لیڈروں نے برملا کہا کہ اب انگریز کے دل میں تبدیلی آ گئی ہے۔ اور وہ ہندوستان کو طاقت منتقل کرنے پر تلا ہوا ہے۔ مگر ہمارے دل کی تسلی نہ ہوئی۔ ہمیں سامراج کا تیاگ قدرتی نہ ہونے کی وجہ سے محض ڈھونگ نظر آتا تھا۔ چنانچہ دس روز بعد کیبنٹ مشن کے دہلی پہنچنے پر پہلی پریس کانفرنس میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے سکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا لارڈ پیتھک لارنس نے فرمایا: "انتخابات کے نتائج نے عیاں کر دیا ہے کہ عام رائے دہندگان نے اپنے خیالات کی ترجمانی کیلئے دو بڑی پارٹیوں یعنی کانگرس اور مسلم لیگ کو منتخب کیا ہے۔ ما تا کہ کانگرس مقابلتاً زیادہ لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے لیکن مسلم لیگ کو محض ایک اقلیت کی سیاسی پارٹی تصور

کرنا ٹھیک نہیں۔ دراصل ہر بڑے بھاری مسلم فرقہ کی اکثریت کی نمائندہ ہے ہمارا مدعا ہے کہ
دونوں کی مشترکہ رائے سے یہ فیصلہ کیا جائے کہ آئندہ دستور سازی کا کام کیسے سرانجام دیا جائے
نیز یہ کہ مرکز میں زیادہ نمائندہ عارضی حکومت کسطرح قائم ہو" یعنی ڈھاک کے وہی تین پات
جہاں سے چلے تھے وہیں آپہنچے۔ پچھلے پچاس برس سے ہندوستانی سیاسیات کولھو کے بیل کی مانند ایک
ہی دائرے میں گھوم رہے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ انگریز نہر سویز کے اُس پار تو جمہوریت میں
یقین رکھتا ہے، مگر جونہی نہر سویز پار کر کے مشرق کا رخ کرتا ہے تو وہی انگریز سامراج شاہی کا
کٹر فرمانبردار ثابت ہوتا ہے۔ لہذا انگریز کا دوغلہ پن ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ حیرت تو
اس بات پر ہے کہ سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی ہم ہر وقت بے بنیاد خوش فہمیوں کا شکار
ہونے کو تیار بیٹھے رہتے ہیں۔!

اُب تو اقلیت اور اکثریت کا قصہ ہی پار ہو گیا۔ ہر بات کے لئے دو بڑی سیاسی پارٹیوں
کی رضامندی ضروری ہے۔ لارڈ ویول اس سے دو قدم آگے بڑھے ہیں۔ اب دو کی بجائے چار پارٹیاں
ہو گئی ہیں۔ کانگرس، مسلم لیگ، راجگان، اور برطانوی حکومت۔ جس میز پر یہ چاروں پارٹیاں
تاش کھیلیں گی کیا کانگرس کی کامیابی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

انگریز مستقبل کے بارے میں سنہری وعدے کرتا ہے، مگر آج کچھ دینے کو تیار نہیں۔
یہی بات ۱۹۴۰ کی گفتگو۔ ایمری اعلان میں تھی۔ یہی کچھ ۱۹۴۲ میں کرپس صاحب لائے۔
۱۹۴۵ کی شملہ کانفرنس اور کیبنٹ مشن کی موجودہ تجاویز کا لب و لباب یہی کچھ ہے۔
عارضی وقفہ کے لئے برطانوی اقتدار بدستور قائم رہے گا۔ فوجیں، گورنر، آئی سی ایس،
وائسرائے صاحب سب کچھ اُسی طرح۔ انڈیا آفس کے رتبہ میں کسی طرح کا فرق نہیں
آئے گا۔ گویا کہ عارضی حکومت وائسرائے کی صلحکار انتظامیہ کونسل کا ہی دوسرا نام ہے۔
بس ساری تگ و دو، کوئٹ انڈیا کے نعرے اور انقلاب کی دھمکیاں محض اسی خاطر
تھیں کہ نظام حکومت بعینہٖ وہی رہے، صرف چند اسامیاں ہندوستانیوں کو مل جائیں!

آئین ساز اسمبلی کہنے سے ہی آزاد نہیں ہوا کرتی۔ ملک میں دبدبہ اُسکا ہے جسکی
فوج ملک پر قابض ہے۔ اور پھر کون جانے یہ آئین سازی کی کھچڑی کتنی مدت تک پکتی

رہے گی۔ ممکن ہے سرے ہی نہ چڑھے اور اگر کام چل بھی نکلے تو کیا معلوم کب جادو کی ہنڈیا چوراہے میں پھوٹ پڑے۔ کہیں آج تک دنیا کی تاریخ میں ایسی آئین ساز اسمبلی کی مثال ملتی ہے۔ جسکے لیئے آئین سازی کا دقفہ مقرر نہ ہو؟ صرف ۱۲ فی صدی لوگوں کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں رائے دینے کا حق ہے۔ اسبار تو رائے دہندگان کی فہرستیں بھی ۸ سال پہلے کی بنی ہوئی اور نامکمل تھیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ زیادہ تر امیر لوگ اور تھوڑی تعداد میں متوسط درجے کے لوگ صوبائی اسمبلیوں کے ممبر منتخب ہوئے ہیں۔ آئین ساز اسمبلی کیلیئے انتخاب یہ ممبران کریں گے۔ اس حالت میں کیا یہ ممکن ہے کہ کروڑوں ننگوں اور فاقہ مست عوام کے چند نمائندے بھی آئین ساز اسمبلی میں جائیں؟ یہ کوئی تعجب کی بات ہو گی۔ کہ امیر آئین ساز عوام کے اقتصادی اور سماجک مسائل پر غور کرنے کی بجائے نوکریوں کے بٹوارے اور مخصوص مفاد کی حفاظت کرنے میں غلطاں رہیں۔

اب انگریز کو اپنی وکالت آپ کرنیکی ضرورت نہیں۔ راجہ لوگ اور تنیگی نواب ایسے اچھے عہدے ہیں کہ جہاں ضرورت ہوا نہیں ڈٹا دو۔ یہ ایسی شرائط رکھیں گے کہ نہ ۱۲ من تیل ہوگا نہ رادھا نا چے گی۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہر بار کانگریسی لیڈر ان ہی وطن فروشوں کی چاپلوسی کے لیئے تیار رہتے ہیں۔ وہ ریاستی اور مسلم عوام کو متحرک کرنے کی بجائے راجاؤں اور نوابوں سے گٹھ جوڑ کرلینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ بھبول کے بیج بو کر آموں کی امید کرنا نادانی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ چرخہ کاتنے۔ گڑ کھانے۔ برت رکھنے۔ ستیاگرہ کرنے اور عدم تشدد کا چوغہ پہن کر رام دُھن گانے سے نہ ہی تو سوراج آئے گا اور نہ ہی کروڑوں بھوکوں ننگوں کی غریبی کا علاج ہو گا۔ آج ملک آتش فشاں کی چوٹی پر بیٹھا ہے۔ انگریز کے بارود گھر میں بغاوت کی آگ جا پہنچی ہے۔ آج پولیس۔ فوج۔ کسانوں۔ مزدوروں۔ طالب علموں اور نوجوانوں میں ہل چل اور بیداری ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہیں سوراج ملے گا۔ گول یا چوکور میز کے گرد بحث بازی سے نہیں۔

انگریز ہندوستانی لیڈروں کو قتل گاہ کے صدر دروازہ پر پڑے کے طور پر

لٹکا کر ہنگامی دور گذارنا چاہتا ہے۔ اگر ہم نے اسے کامیاب ہونے دیا تو یہ ہماری نالائقی ہوگی۔

کیا کانگرس انقلاب کے راستے سے بھٹک گئی ہے؟ معلوم تو ایسا ہی دیتا ہے۔ مکمل جواب مستقبل دے گا۔ عوام مذہب کے نام پر گمراہ ہوکر کانگرس سے دور جا رہے ہیں۔ کیا کانگرس مذہبیت چھوڑ کر خالص اقتصادی اور سیاسی پروگرام اختیار کرکے عوام کو تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچائے گی؟ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہم بڑے نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ ہمارے لئے دو ہی باتیں ہیں۔

آزادی یا موت

انقلاب زندہ باد

تاراچند گپتا ایم۔اے

تاجروں کی آمد

" نفاق ڈالو اور حکومت کرو " قدیم رومن حکمرانوں کی پالیسی تھی۔ ہمیں بھی اسی پالیسی پر عمل پیرا ہونا چاہیئے (ماؤنٹ سٹوارٹ الفنسٹن)

مشہور برطانوی مدبر۔ سر سٹیفورڈ کرپس نے کچھ عرصہ پہلے ایکبار اپنے ہموطنوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ " اگر تم برطانوی سامراج کی تاریخ کے صفحات پر نظر ڈالو تو پشیمانی سے اپنا سر جھکا لوگے اور اپنے آپکو برطانوی کہتے ہوئے تمہیں شرم آئیگی "

یہ الفاظ اگرچہ مختصر مگر ہندوستان میں پچھلے ڈیڑھ صد سال کی برطانوی پالیسی کے آئینہ دار ہیں۔

مدتیں گزریں۔ ہمارے موجودہ برطانوی حکمرانوں کے آبا و اجداد تاجروں کے بھیس میں ہندوستان میں وارد ہوئے۔ بدقسمتی سے ان دنوں ملک چھوٹی چھوٹی

ریاستوں میں منقسم تھا۔ جو یونہی غیر منظم اور بے ترتیبی کی حالت میں ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھیں۔ مغلیہ شہنشاہیت برائے نام تھی۔ اور دور افتادہ علاقوں کے نظم و نسق پر نگرانی کے لئے صحیح معنوں میں کوئی مرکزی منظم طاقت موجود نہیں تھی۔ مغل شہنشاہ کی سیاسی پوزیشن بہت کمزور ہو چکی تھی اور دور افتادہ علاقہ جات کے حکمران من مانیاں کرتے تھے۔ سکھوں اور مرہٹوں نے اپنے اپنے علاقہ جات میں نیم خود مختارانہ حکومتیں قائم کر لی تھیں۔

عقاب نظر نو واردوں نے آتے ہی یہ بھانپ لیا کہ بدانتظامی کی زرخیز زمین میں نفاق کا بیج آسانی سے بویا جا سکتا ہے۔ نیز جلد ہی بار آور ہو گا۔ اس خیال کے پیش نظر نو واردوں نے اپنے سیاسی و اقتصادی طرز عمل میں نفاق ڈالو اور حکومت کرو کے سنہری اصول کو آزمایا تو بہت مفید مطلب پایا۔ لہٰذا یہ اصول ہندوستان میں برطانوی پالیسی کا ایک بنیادی جزو بن گیا۔

پنجابی میں ایک کہاوت ہے کہ "آگ لینے کے لئے آئی۔ اور گھر کی مالکہ بن بیٹھی"۔ یہ کہاوت ہندوستان میں برطانوی اقتدار و عروج پر عین صادق آتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اہل برطانیہ ہندوستان کی سرزمین میں محض تجارت کی غرض سے آئے۔ لیکن ملک کے سیاسی ماحول نے کچھ ایسے حالات پیدا کئے کہ کچھ عرصہ بعد تاجروں کا یہ گروہ خود بخود حکمرانوں کی ایک جماعت میں منتقل ہو گیا۔

انگریزوں کی آمد سے پہلے بلاشبہ ملک بدنظمی کا شکار تھا لیکن تاریخ

اس بات کی گواہ ہے۔ کہ ملک میں مذہبی فرقہ پرستی۔ خصوصاً اس نوعیت کی جو پچھلے چند سالوں سے ہم ہندوستان میں دیکھ رہے ہیں۔ موجود نہیں تھی۔ فرقہ پرستی کی موجودہ شکل وصورت یقیناً برطانوی راج کی پیداوار ہے۔

ہندوستانی تاریخ کے اس دور میں۔ ہندو۔ مسلمان۔ اور دیگر فرقے آپس میں شیر وشکر رہتے تھے۔ مغل بادشاہوں کے دربار میں لائق ہندوؤں کو اعلےٰ عہدوں پر معمور کیا جاتا تھا۔ اور اسی طرح ہندو ریاستوں میں مسلمان افسر ملازم لئے جاتے تھے۔

مشہور یونانی تاریخ داں اور سیّاح مارکو پولو اپنے ایک بیان میں رقم طراز ہے کہ مہاراجہ پانڈیہ کی حکومت میں ایک مسلمان وزیر اعظم تقی الدین نامی تھا اور اس راجہ نے مشہور چینی شہنشاہ کبلے خاں کے دربار میں ایک مسلمان سفیر بھیجا تھا۔

بابر اور ابراہیم لودھی کے درمیان پانی پت کے مقام پر جب لڑائی ہوئی تو بہت سے ہندو راجاؤں نے ابراہیم لودھی کا ساتھ دیا۔ محمد غوری نے۔ آخری غزنوی سلطان خسرو ملک کے خلاف جموں کے ہندو راجہ سے دوستی کا رشتہ پیدا کیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب بیجاپور اور گولکنڈہ کے مسلمان حکمرانوں سے اسی زور شور سے لڑا جیسے مرہٹوں سے
شیر شاہ سوری نے اپنی ہندو رعایا میں تعلیم کے پرچار کے لئے 'دفن' زمینوں کے دئے جانے کا سلسلہ جاری کیا جسکی وجہ سے دو مختلف فرقوں

کا محبوب نظر بن گیا۔

صرف یہی نہیں۔ کئی مغل بادشاہوں نے یہ جنمیں شہنشاہ اکبر کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ہندو راجاؤں سے ازدواجی رشتے ناطوں کا سلسلہ پیدا کیا۔ متذکرہ بالا مغل بادشاہ نے حرم سرا کی زندگی و دیگر شاہی طرز عمل میں ہندو تہواروں اور رسومات کو شامل کیا اور مسلم تہذیب کے مقابلہ میں ہندو تہذیب کے نمایاں پہلوؤں کو برابر اہمیت دی۔

"شہنشاہ نے پوچھا تمہاری جائدادوں اور زمینوں کا انتظام کون کرتا ہے؟"

"ہمارے ہندو ایجنٹ" انہوں نے جواب دیا "بہت خوب" اکبر نے کہا تو آج سے ہم بھی اپنی شاہی جائدادوں کے منتظم ہندو مقرر کرینگے۔

("دی انڈین مسلمانز" سر ولیم ہنٹر)

اس عہد کے متعلق ذکر کرتے ہوئے مشہور تاریخ دان پروفیسر سری رام شرما رقمطراز ہیں۔

"یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس عہد میں یورپ میں فرقہ پرستی زوروں پر تھی۔ جب رومن کیتھولک لوگ پراٹسٹنٹ لوگوں کو زندہ جلا دیتے تھے اور پراٹسٹنٹ رومن کیتھولک لوگوں کو قتل کر دیتے تھے۔ شہنشاہ اکبر نے نہ صرف ہندوستان کے مختلف فرقوں بلکہ مختلف مذاہب کے درمیان امن قائم کیا۔"

شہنشاہ اورنگ زیب کا بڑا بھائی شہزادہ دارہ شکوہ ہندو فلسفہ اور سنسکرت کا بہت بڑا مداح تھا۔ اور اورنگ زیب (جو تاریخ میں انتہائی متعصب حکمران گردانا گیا ہے) تک کی ملازمت میں ہندو سردار اعلےٰ عہدوں پر فائز تھے۔

اسی زمانہ میں ہندو۔مسلم و دیگر مذاہب کے باہمی اختلاط سے ایک مشترکہ فلسفہ کی بنیاد پڑی جسکے بانی۔ بھگت کبیر۔ گورو نانک۔ اور تکارام ایسی ہستیاں تھیں۔ اسلام کا وحدت کا اصول آہستہ آہستہ ہندو مت میں مدغم ہو گیا۔

فوج میں ہندو۔مسلم و دیگر مذاہب کے مشترکہ میل ملاپ سے ایک نئی زبان کی بنیاد پڑی جسے آج اردو کے نام سے پکارا جاتا ہے۔اردو کے لفظی معنی ہیں لشکر۔یعنی مختلف جماعتوں کے اختلاط سے پیدا شدہ زبان۔

مختلف گروہوں کا یہ میل ملاپ صرف زبان۔ مذہب اور سیاسیات پر ہی نہیں بلکہ موسیقی فلسفہ اور کلچر پہ بھی اثر انداز ہوا۔

ان تمام واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں عہد مغلیہ کے دوران حکومت میں جبکہ انگریز ابھی ہندوستان میں نہیں آئے تھے مذہب اور سیاسیات کو ایک دوسرے سے کوئی ایسا تعلق نہ تھا۔

مشہور مسلمان رہبر۔ سر سید احمد خاں نے۔ برطانوی حکمرانوں کے گمراہ کن نرغہ میں آنے سے پہلے ایک بار اعلان کیا تھا۔

"لفظ قوم ان تمام لوگوں پر عائد ہوتا ہے جو ایک ہی ملک کے باشندے ہوں۔ یہ یاد رکھا جانا چاہیئے کہ ہندو اور مسلمان محض مذہبی بنا پر دو فرقوں کے نام ہیں لیکن ہندوستان میں رہنے والے تمام ہندو۔ مسلمان اور عیسائیوں کی قوم ایک ہی ہے۔ چونکہ یہ تمام گروہ ایک ہی قوم کے مختلف حصّے ہیں لہذا جو چیز تمام قوم کے لئے فائدہ مند ہے وہی ان فرقوں کے لئے علیحدہ علیحدہ مفید ہے۔

اب وہ زمانہ گیا جب محض مذہبی اختلافات کی بنا پر کسی ملک کے باشندوں کو علیحدہ علیحدہ قوم شمار کیا جا سکتا تھا۔"

ہندوستان میں برطانوی "نفاق پیدا کرو اور حکومت برقرار رکھو" کی پالیسی کی ابتدا ۱۸۵۶ء کے غدر سے ہوتی ہے۔ اس غدر میں ہندو اور مسلمانوں نے بغیر فرقہ و مذہب کی تمیز کے باہم دوش بدوش حصّہ لیا۔ اسی دوران کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے مشہور برطانوی سیاستدان سر جان سیلے نے لکھا۔

"مختلف مذہبی فرقوں اور نسلوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر ہندوستانی بغاوت کو دبا دیا گیا۔ جب تک ہندوستان میں برطانوی گورنمنٹ ایسا کرنے میں کامیاب رہے گی۔ لندن سے ہندوستان پر حکومت برقرار رکھی جا سکے گی۔ لیکن اگر کسی طرح سے ہندوستان کے تمام فرقوں میں یکتا اور قومی اتحاد پیدا ہو گیا تو سمجھو نہ صرف ہماری حکومت کو خطرہ ہے۔ بلکہ ہمیں حکومت کرنے کی امید ہی چھوڑ دینی چاہیئے۔"

سن ۱۸۶۹ء میں علیگڑھ کے ایم۔ اے۔ او کالج میں ایک انگریز

مسٹر بیک پرنسپل مقرر ہو کر آئے۔ تو برطانوی روباہ خصلت مدبّروں نے ہندوستان کے مختلف فرقوں میں نفاق پیدا کرنے کا مبارک فرض، انہیں سونپا۔ ادھر ولائت میں اس وقت کے ممبر پارلیمنٹ مسٹر چارلس بریڈ لا نے ہندوستان میں ذمہ دار طرز حکومت کے قیام کی پہلی قسط دئے جانے کے لئے پارلیمنٹ میں ایک بل پیش کیا اور ادھر نئے آمدہ انگریز پرنسپل نے ذمہ دار مسلمان طبقے کی خود پیدا کردہ نمائندگی کرتے ہوئے ایک مراسلہ تیار کیا جسمیں برطانوی پارلیمنٹ سے یہ گزارش کی گئی کہ چونکہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو مذہب نہیں بلکہ دو قومیں آباد ہیں لہذا مجوزہ ذمہ دار قسم کا طرز حکومت ہندوستان کے حالات کے منافی ہوگا۔

۱۸۹۳ء میں بیک صاحب نے اینگلو۔ اورنٹیل ڈیفنس ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔ اور خود اسکے سیکرٹری بن بیٹھے۔ اس مسلمان جماعت کے جسکی بنیاد ایک سرکار پرست انگریز نے ڈالی۔ اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ ہندوستان میں برطانوی راج کے قیام اور بقا کو تقویت دینا۔

۲۔ مسلمانوں میں سیاسی بےچینی کو روکنا۔

۳۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کرنا۔

مسٹر بیک نے اپنی ایک تحریر میں متذکرہ بالا تحریکوں کے اغراض و مقاصد کے متعلق خود ہی اسباب کا اعتراف کیا ہے۔

"ہندوستان میں سیاسی ایجی ٹیشن اور ذمہ دار حکومت کے نفاذ کو روکنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انگریز مسلمانوں کا تعاون حاصل کریں"۔

بیک صاحب کے بعد۔ علیگڑھ۔ ایم۔ اے۔ او۔ کالج کے پرنسپل کی گدی پر ایک اور انگریز مسٹر آرچبولڈ رونق افروز ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ علیگڑھ کے ایم۔ اے۔ او۔ کالج کے پرنسپل کی گدی برطانوی سیاسی چالوں کا مرکز بنی۔ اور کچھ عرصہ تک ہندو "باغیوں" کے خلاف مسلمانوں سے گٹھ جوڑ کے سلسلہ میں آلہ کار بنی رہی۔

نئے آمدہ پرنسپل نے مسلمانوں کے نمائندوں کو اس بات پر اُبھارا کہ وہ وائسرائے۔ لارڈ منٹو۔ کو ایک ڈیپوٹیشن کی صورت میں ملیں اور اُنکے حضور میں ایک مراسلہ پیش کریں۔ جس پر تمام صوبوں کے مسلمان لیڈروں کے دستخط ہوں۔ "مراسلہ کے نفس مضمون کے متعلق میں آپکو مشورہ دیتا ہوں۔ کہ شروع میں وفاداری کا اظہار کیا جائے۔ ذمہ دارانہ حکومت کے قیام کے سلسلہ میں حکومت کی کوششوں کا شکریہ ادا کیا جائے لیکن ساتھ ہی یہ بھی گزارش کی جائے کہ انتخابات کا اصول اگر ہندوستان میں رائج کیا گیا تو اس سے مسلمانوں کی اقلیت کو نقصان پہنچے گا۔ ساتھ ہی یہ مؤدبانہ عرض کی جائے کہ ہندوستان میں مذہب کی بنا پر جُداگانہ انتخاب رائج کیا جائے۔ تاکہ مسلم رائے عامہ کا لحاظ رکھا جائے۔

ہمیں (لفظ "ہمیں" ملاحظہ ہو!) یہ عرض کرنا چاہئے کہ ہندوستان جیسے ملک میں زمینداروں کے حقوق کا لحاظ رکھا جانا بھی ضروری ہے۔ لیکن اس تمام سلسلہ کے دوران میں مجھے پس منظر میں ہی رہنے دیا جائے۔ ایسا معلوم ہو کہ تم لوگ خود ہی ان سب باتوں کا

مطالبہ کر رہے ہو۔ اگر کہو تو میں تمہارے لئے وائسرائے بہادر کے سامنے پیش کئے جانے والے مراسلے کا مسودہ تیار کر دیتا ہوں۔ یا اسمیں اصلاح کرنے کو تیار ہوں۔

اور اگر یہ مسودہ بمبئی میں تیار کیا گیا تو میں تصحیح کے لئے نظر ثانی کر لوں گا۔ چونکہ جیسا کہ آپکو معلوم ہے مجھے اس قسم کے مسودوں کو مناسب زبان میں لکھنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ برائے مہربانی آپ اس بات کا خیال رکھیئے گا کہ اگر ہمیں مختصر سے عرصہ میں ایک طاقتور تحریک چلانا ہے تو ہمیں جلد از جلد مناسب اقدام اٹھانے چاہئیں۔ (پرنسپل آرچبلڈ کا خط بنام محسن الملک ہانریری سیکرٹری۔ ایم۔ اے۔ او کالج۔ علیگڈھ)
تاریخ ۱۰۔ اگست ۱۹۰۶ء

پرنسپل صاحب کے مشورہ اور ہدایات کے مطابق۔ ہز ہائی نس۔ دی آغا خاں کی سرکردگی میں متذکرہ بالا مراسلہ لکھا گیا۔ جو یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ منٹو کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اور وائسرائے بہادر کی طرف سے جواب ملا۔ "تمہاری عرضداشت کا مدعا ہم یہ سمجھے ہیں کہ جہاں کہیں بھی نمائندگی کا اصول زیر عمل لایا جائے۔ خواہ وہ ڈسٹرکٹ بورڈ یا میونسپلٹی کے چناؤ میں ہو یا قانون ساز اسمبلی کے ہوں مسلمانوں کو ایک علیحدہ جماعت تصور کیا جائے۔ تمہارا خیال ہے کہ موجودہ طریق انتخاب کے زیر مسلم نمائندوں کا چناؤ مشکل ہے۔ مسلم نمائندوں کے انتخاب کا امکان تبھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ غیر مسلم اکثریت کی مرضی کے

مطابق اپنے نقطہ نظر کو بدلیں۔

تمہارا یہ مطالبہ کہ کسی جماعت کی پوزیشن کا انحصار اسکی نفری تعداد پر نہیں بلکہ اس جماعت کی سیاسی اہمیت۔ اور سلطنت برطانیہ کی خدمات کی بنا پر ہو۔۔۔۔۔۔۔ بھی نہایت معقول ہے اور ہم اس سے متفق ہیں۔"

ڈیپوٹیشن کے ممبران نے انگریز پرنسپل کے مشورہ کے مطابق۔ انگریز وائسرائے کے سایہ عاطفت میں سن ۱۹۰۶ء میں مورخہ ۳۰ر دسمبر کے روز آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔

اسکے بعد ۱۹۰۹ء میں منٹو مارلے اصلاحات ظہور میں آئیں۔ جنمیں جداگانہ طریق انتخاب رائج کیا گیا۔ انہی دنوں کے دوران میں ہندوستان میں انگریزی حکومت کے ایک اعلےٰ افسر نے لارڈ منٹو کی بیوی کے نام (جو ان دنوں انگلینڈ میں تھیں) ایک خط میں لکھا۔

"برطانوی سلطنت کے محافظ مسٹر چرچل ہمیشہ ہندوستان کی مختلف جماعتوں کے درمیان نفاق برقرار رکھنے کے درپے رہتے ہیں۔ ۱۹۱۰ء میں انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہندوستانیوں کی مختلف جماعتوں میں ہمارے خلاف متحدہ محاذ پیدا ہو جائے تو برطانوی راج کا تماشہ ختم سمجھو۔ اگر تمام فرقے متحدہ طور پر حکومت سے قطع تعلق کر لیں۔ تو برطانوی راج کا تمام یکسٹر آن واحد میں منہدم ہو جائے"۔

مندرجہ بالا حالات کے بیان سے یہ ثابت ہوا کہ مسلم لیگ انگریز فتنہ

گردی کی چالوں سے ظہور میں آئی اور پاکستان کا شوشہ سراسر برطانوی ڈپلومیسی کی پیداوار ہے۔

وائسرائے ہند لارڈ کرزن نے پنجاب کے حصّے بخرے کر کے شمالی ہندوستان کے اس خطے کو شمالی مغربی سرحدی صوبہ اور پنجاب میں تقسیم کر دیا۔ اسی طرح اُس نے بنگال کی تقسیم کا قصد کیا اور شمال مشرقی ہندوستان میں ایک نیا صوبہ بنانے کی کوشش کی۔ تاکہ ہندوؤں کی لگاتار بڑھتی ہوئی طاقت کو روکا جائے۔ اُسکے بعد صوبہ بمبئی کو تقسیم کر کے ' علاقہ سندھ علیحدہ کیا گیا۔

۱۹۳۲ء میں حکومت ہند کے ایک رکن اعلٰے نے سنسنی خیز اعلان کیا "ایک ایسے متحدہ ہندوستان کا قیام جسمیں تمام برطانوی ہند کا علاقہ۔ ہندوستانی ریاستیں اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ شامل ہوں ...... دن بدن ناممکن بن رہا ہے۔ اور اسکی بجائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمال اور شمال مغرب میں ایک مسلم حکومت کے قیام کا امکان پیدا ہو رہا ہے۔ جو (سیاسی اور مجلسی طور پر) جنوبی ہندوستان کی بجائے شمالی سرحد کے پار کے اسلامی ممالک کے نزدیک تر ہوگی۔ اسکے مقابل میں ہندوستان کے جنوبی اور مشرقی علاقوں میں ہندو راج قائم ہونے کے امکانات ہیں"۔

اسکے علاوہ ۱ر اگست ۱۹۴۰ء میں اُس وقت کے وزیر ہند۔ مسٹر ایمری نے ہاؤس آف کامنز کے اجلاس میں کھلے بندوں یہ اعلان کیا کہ "مجلسی اور مذہبی نقطہ نظر۔ تواریخی رسوم و رواج۔ اور تہذیب" کے لحاظ سے مسلمانوں اور

دیگر ہندوستانی فرقوں میں اتنا ہی اختلاف ہے جتنا یورپ کی دیگر قوموں کے مابین۔"

غور سے دیکھا جائے تو ہمیں قائداعظم محمد علی جناح کی پاکستان سے متعلق تقریروں میں وہی کچھ نظر آئے گا جو لندن کے قدامت پسند اور ملوکیت پرست ناخداؤں کے اعلانوں میں۔ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناح صاحب کے بیانات محض ایک گنبد کی آواز ہیں۔ قدامت پسند برطانوی مدبر ولائت سے بولتے ہیں۔ لیگی نواب ہندوستان سے سُر میں سُر ملاتے ہیں۔ اور برطانوی مدبروں کی کہی ہوئی باتیں اپنے الفاظ میں دہراتے ہیں۔ صرف لیگی لیڈر ہی نہیں ہندوستان کے تمام فرقہ پرست رہنما' ملوکیت پرست برطانوی سیاست دانوں کے 'نقیب' ہیں۔

فرقہ دارانہ سیاسیات کا پس منظر

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ آنجہانی ڈاکٹر سر محمد اقبال موجودہ پاکستان کے مسئلہ کے بانی تھے۔ چونکہ ایک بار انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کرتے ہوئے اپنی تقریر میں فرمایا تھا "میری یہ خواہش ہے کہ صوبہ پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ۔ اور بلوچستان کی ایک مشترکہ حکومت ہو۔"

لیکن اسکے برعکس بہت سے سیاسی مبصروں کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ سے یہ اندازہ لگا لینا کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے ذہن میں موجودہ "جناحی پاکستان" کی سکیم تھی، سراسر غلط ہے۔ امر واقع یہ ہے کہ ڈاکٹر اقبال کسی حالت میں بھی ملک کے حصے بخرے کئے جانے کے حق میں نہیں تھے۔ چونکہ متذکرہ بالا اسکیم کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے ایک بار فرمایا

تھا۔

"ہم ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں اور ہندوستان میں ہی مریں گے۔ لہٰذا ملک کی بہتری کے لئے ہمارے کئی ایک فرائض ہیں۔ ...... مسلمان فیڈریشن اسلئے چاہتے ہیں کہ اس سے فرقہ دارانہ مسئلے کا حل ممکن ہو سکتا ہے۔ ...... ہندوستانی قوم (ہندو قوم یا مسلم قوم نہیں!) کے اتحاد کا حل باہم میل جول اور برادرانہ تعلقات میں ہے۔ علیٰحدگی میں نہیں۔"

اس کتاب کے پچھلے صفحات میں اُن وجوہات و حالات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ جنکے زیر اثر موجودہ "مسلم لیگ" عالم وجود میں آئی۔ اسوقت پاکستان لیگ کی پالیسی کا نصب العین نہیں تھا۔ بلکہ "پاکستان" کا مسئلہ ہی لیگ کے عالم وجود میں آنے سے بہت عرصہ بعد پیدا ہوا۔ حالات کی رفتار نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ آہستہ آہستہ نامعلوم طور پر لیگ کی پالیسی زیادہ ہی زیادہ فرقہ پرستانہ ہوتی گئی۔ اور آخر میں موجودہ مرحلہ پر پہنچ گئی۔ اسی دوران میں تھوڑا سا سنہری عرصہ ایسا بھی تھا جبکہ لیگ پر قوم پرست عنصر کا غلبہ رہا۔ بلکہ کئی بار لیگ اور کانگرس میں باہمی مفاہمت بھی رہی۔ ذیل میں ہم لیگ اور اُسکے ساتھ ہی پاکستان کی تحریک کی ہسٹری کا مختصر سا جائزہ لیں گے۔

۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۴ء تک کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ عہد نامہ لکھنؤ کے مطابق کانگرس نے مسلمانوں کی

خلافت، تحریک میں مدد دی اور لیگ نے سوراج کے لئے ایجیٹیشن میں شامل ہونا منظور کیا۔

۱۹۲۷ء میں چند کانگرسی رہنماؤں نے نہرو رپورٹ کی شکل میں برطانوی گورنمنٹ کو ہندوستان کا مستقبل کا آئین پیش کیا اور ساتھ ہی اس بات کا مطالبہ کیا کہ اگر مجوزہ آئین کو ایک سال کے اندر منظور اور ملک میں رائج نہ کیا گیا تو سول نافرمانی کی تحریک شروع کی جائیگی۔

بدقسمتی سے نہرو رپورٹ کے خالقوں میں ہندو سبھائی نقطہ نظر کا غلبہ تھا۔ لہذا مجوزہ اسکیم میں یہ تجویز کی گئی کہ جداگانہ انتخاب اور مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لئے کم از کم ایک تہائی نشتوں کی شرائط۔ جنہیں کانگرسی رہنماؤں نے لکھنؤ پیکٹ کی رو سے منظور کر لیا تھا۔ اڑا دی جائیں۔ مسلم ممبران کی طرف سے مسلمانوں کے جملہ حقوق کی حفاظت کے پیش نظر نہرو رپورٹ میں متعدد تبدیلیاں لائے جانے کی تجویزیں پیش ہوئیں لیکن چونکہ۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ رپورٹ کے نافداؤں میں ہندو سبھائی خیال کا زور تھا لہذا وہ سب تجویزیں رد کر دی گئیں۔ ٹھیک اس وقت چند ایک مسلم لیڈروں کے دل میں ہندو اکثریت کے ارادوں کے خلاف شبہات پیدا ہوئے اور انہوں نے مخالفت کی ٹھانی۔ نہرو رپورٹ کو منظور کئے جانے کے سلسلہ میں مسلم لیگی لیڈروں میں پھوٹ پڑ گئی۔ سر محمد شفیع نے نہرو رپورٹ پر عملدرآمد اور سائمن کمیشن سے عدم تعاون۔ دونوں تجویزوں کی مخالفت کی۔ لیکن مسٹر

جناح اسوقت اسباب کے حق میں تھے کہ اگر کانگریس مسلم لیگی رہنماؤں کی طرف سے پیش کردہ پانچ شرائط مان لے اور اُن شرائط کے مطابق نہرو رپورٹ میں خاطر خواہ تبدیلیاں کر دے تو کانگرس سے تعاون کیا جائے اور سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا جائے۔ لیکن کانگرسی لیڈروں نے متذکرہ بالا پانچ شرائط کے ماننے اور اُن کے مطابق نہرو رپورٹ میں تبدیلی کرنے سے انکار کر دیا۔ لہذا لیگی مسلمانوں میں کانگرس کے خلاف ناراضگی کی لہر دوڑ گئی اور موجودہ اختلافات کی بنیاد پڑی۔

لیگی خیال کے لوگ لکھنؤ پیکٹ کے مطابق طے شدہ شرائط کے مطابق جداگانہ انتخاب۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لئے کم از کم ⅓ نشستوں کی گارنٹی۔ ایسی متعدد شرائط منوانا چاہتے تھے جنہیں کانگرسی خیال کے لیڈروں نے نامنظور کر دیا۔ یہ کہنا کہ لیگی مسلمانوں کی تمام شکایات کو نامنظور و نظر انداز کرنے میں نہرو کمیٹی نے غلطی کی۔ شاید مناسب نہیں جداگانہ انتخاب کے بُرے نتائج ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اس کا نظر انداز کیا جانا ہی بہتر تھا۔ لیکن جہاں تک مسلم نشستوں کی تعداد مقرر کئے جانے کا تعلق تھا کانگرس کو یہ شرط مان لینا چاہئیے تھی۔ اور دیگر مطالبات میں بھی لیگ سے کسی نہ کسی طرح مفاہمت پیدا کی جا سکتی تھی۔

لیکن ہندو مسلم رسہ کشی کا منظر یہیں ختم نہیں ہو جاتا تیسری پارٹی ہمارے انگریز حکمرانوں کا پارٹ۔ جب تک زیر تبصرہ نہ لایا جائے موجودہ فرقہ دارانہ الجھن کو پوری طرح ذہن نشین نہیں کیا جا سکتا۔

۱۹۱۶ء میں کانگرس اور لیگ کے درمیان لکھنؤ پیکٹ ہونے اور دونوں پارٹیوں کے مشترکہ پروگرام کی تحریک سے ودیشی ملوکیت پرستوں کو ڈر پیدا ہوا - ہیں یہ کیا - ہندو مسلم اتحاد ؟ لہذا وہ ہر ممکن طریق سے اس کوشش میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح سے ملک کے "باغی عنصر" کے مقابلہ میں مخالف بلاک" بنایا جائے جس سے برطانوی حکومت برقرار رہے اور برطانوی سلطنت کا بیش قیمت ہیرا - ہندوستان - تاج کی زینت بنا رہے - جونہی نہرو رپورٹ نے لیگی مسلمانوں کی تجاویز کو رد کیا - انگریز مدبروں نے لیگیوں کو شہ دی اور مخالفت پر ابھارا -

انگریز کے ان ارادوں کی جھلک ۱۹۳۲ء میں جاری شدہ گورنمنٹ کے ایک ذمہ دار رکن سر - جے کوٹ میَن کے ایک بیان میں دکھائی دیتی ہے سر مذکور نے لکھا -

" ایک ایسے متحدہ ہندوستان کا قیام جسمیں برطانوی ہندوستان ہندوستانی ریاستیں اور صوبہ سرحد سب شامل ہو جنکی شمولیت ہندوستانی قومیت کی ایک بنیادی شرط ہے - دن بدن ناممکن بن رہا ہے - اور متحدہ ہندوستان کی بجائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے شمال اور شمال مغرب میں ایک ایسی طاقتور حکومت قائم ہو گی - جسکا جھکاؤ جنوبی وسطی ہندوستان کی بجائے شمال میں (افغانستان و ایران) کی طرف زیادہ ہوگا..."

نہرو کمیٹی کی غیر معمولی اور ضرورت سے زیادہ "قوم پرستی" مسلم لیگیوں کے خدشات اور کانگرس لیڈروں سے بیزاری اور انگریز کی "پھوٹ ڈالو اور

حکومت کرو، کی پالیسی۔ ان تینوں نے ملکر پاکستان کے شوشے کو جنم دیا۔ اور ایک چوتھا جزو تھا، چند مسلم نوجوانوں، کے ایک گروہ کی جذباتی برانگیختگی۔

اب تک تحریر و تقریر میں ہر جگہ مسلمان ایک اقلیت بیان کئے گئے تھے۔ لیکن ۱۹۳۳ء میں انگلستان کی کیمبرج یونیورسٹی کے ایک پنجابی مسلمان طالب علم چوہدری رحمت علی نے پہلی بار مسلم اقلیت کی بجائے 'مسلم قوم' کا لفظ استعمال کیا۔

نوجوان مذکور نے ۲۸ جنوری ۱۹۳۳ء میں ایک پمفلٹ کی صورت میں اپیل شائع کی جسکا عنوان تھا "اب یا پھر کبھی نہیں" (Now or never)۔

(یہاں یہ بیان کر دینا خالی از دلچسپی نہیں ہو گا کہ جو کچھ کیمبرج یونیورسٹی کے دیگر طلبا کی زبانی معلوم ہوا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نوجوان مذکور یونیورسٹی میں کسی خاص تعلیمی کورس کا مطالعہ نہیں کر رہے تھے۔ اور ذاتی طور پر باوجود مالی فراغت نہ رکھنے کے ولایت میں شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ اور اونچے طبقے کی ضیافتوں میں اکثر دیکھے جاتے تھے۔ یہ گمان کرنا کہ روپیہ غالباً برطانوی ملوکیت پرستوں کے پراپیگنڈہ فنڈ سے آتا تھا۔ دوسرے معنوں میں برطانیہ کی 'نیک نیتی' پر شک کرنا ہے۔ خیر یہ لین دین کی باتیں نوجوان مذکور اور برطانوی سیاستدانوں کے درمیان کا ذاتی معاملہ ہے۔ ہمیں محض نوجوان مذکور کے 'اعلان' کے نفس مضمون سے غرض ہے)

متذکرہ بالا نوجوان نے اپنی اپیل میں یہ خیال ظاہر کیا کہ پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ (جسے انہوں نے افغان صوبہ کا نام دیا) کشمیر، سندھ

اور بلوچستان کو ملا کر ایک اسلامی حکومت کا خطہ پیدا کیا جائے جو سیاسی طور پر قطعی خود مختار ہو اور لقایا ہندوستان سے علیحدہ ہو۔ جسکا نام 'پاکستان' ہو۔ یہ نام انہوں نے متذکرہ بالا علاقوں کے نام کے پہلے حروف ملا کر بنایا۔ (پنجاب 'پ'۔ افغان صوبہ'۔ ۱۔ کشمیر 'ک' سندھ 'س' اور 'ستان' (یعنی جگہ)۔

متذکرہ بالا سکیم کی تفصیلات ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کروا کر چوہدری رحمت علی نے ممبران پارلیمنٹ اور انہی دنوں ہو رہی گول میز کانفرنس کے نمائندوں میں تقسیم کروائیں۔

چوہدری رحمت علی کی 'پاکستان' کی سکیم کو ہندوستان کے ہندو و مسلم پریس۔ دونوں میں سے کسی نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ اور نہ ہی اسوقت کی لنڈن میں منعقدہ گول میز کانفرنس کے ہندو و مسلمان نمائندوں نے انکی اس جدت میں کوئی دلچسپی لی۔ بلکہ چوہدری ظفر اللہ خان و ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین جیسے لیڈروں نے مجوزہ پاکستانی سکیم کے متعلق جوائنٹ پارلیمنٹری سیلیکٹ کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ یہ سکیم محض خیالی اور ناقابل عمل ہے اور غیر ذمہ دار دماغ کی اختراع ہے۔ نیز ہندوستان کی رائے عامہ کے کسی ذمہ دار عنصر کی طرف سے پیش کردہ نہیں۔

باوجود اسبات کے کہ ہندوستان میں اس سکیم کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا گیا اور گول میز کانفرنس کے مسلم ڈیلیگیشن نے اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی پھر بھی انگلستان کے ملوکیت پرست گروہ۔ مسٹر چرچل اور

اُسکے ساتھیوں نے اِس سکیم کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی۔ اس پر تقریریں ہوئیں اور پارلیمنٹ میں سوالات پوچھے گئے۔ ان حالات کے پیش نظر یہ گمان کہ کہ چوہدری رحمت علی اور انکی سکیم دونوں برطانوی پراپیگنڈے کی پیداوار تھے۔ اصلیت سے دور نہیں۔

۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۵ء مسلم عوام پر آل انڈیا مسلم کانفرنس کی پالیسی اثر انداز رہی۔ اس مسلم کانفرنس کی پالیسی یہ تھی کہ ہر ممکن طریق سے مسلمانوں کے مذہبی۔ مجلسی۔ سیاسی اور اقتصادی مفاد کی حفاظت کی جائے۔ اور ہندوستان کے آئین میں ایسی دفعات شامل کی جائیں۔ جن سے مسلمانوں کے جملہ حقوق کی حفاظت کی گارنٹی ہو۔

گول میز کانفرنس میں کانگرس نے مسلمان لیڈروں کی طرف سے پیش کردہ مسلم مفاد سے متعلقہ تجاویز کی (جنہیں مسلم لیڈر اپنے خیال میں ضروری و مناسب سمجھتے تھے) مخالفت کی۔ لہذا ہندو مسلم کشیدگی اور بھی بڑھ گئی۔

یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے۔ کہ انگریز کی شہ ہندو مسلم کشیدگی کی کافی بڑی وجہ تھی۔ ہر اُس شخص کو جس نے ہندو اکثریت سے خدشہ و بیزاری ظاہر کی اور مسلمانوں کے مفاد کی گارنٹی کے لئے انگریز کو پکارا۔ مسلمانوں کا رہنما اور نمائندہ تصور کر کے گول میز کانفرنس میں جگہ دی گئی۔ اور اُسکے برعکس جن مسلم لیڈروں نے مشترکہ مفاد کا اصول پیش کیا انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔

ہندوستان کے نئے آئین۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء
میں مسلم مفاد کی گارنٹی سے متعلقہ مسلمانوں کے تقریباً تمام مطالبات کو
تسلیم کر لیا گیا۔ مرکزی طریقہ حکومت کی بجائے فیڈرل گورنمنٹ کے
اصول کو مان لیا گیا۔ اور فیڈریشن رائج کی گئی۔ جسکے زیر عمل دراصل
صوبوں میں علیحدہ علیحدہ ذمہ دارانہ گورنمنٹیں قائم ہوئیں۔ جداگانہ طریق
انتخاب رائج کیا گیا۔ اور مرکزی و صوبجاتی قانون ساز اسمبلیوں میں آبادی
کے تناسب کی بناء پر نشستوں کی تعداد مقرر کی گئی۔

انہی دنوں لیگ کے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کی ذہنیت میں ایک
عجیب و غریب انقلاب آیا۔ جہاں تک صوبجاتی گورنمنٹوں کے قیام کا تعلق
تھا۔ انہوں نے نئے آئین کے صوبجاتی خود مختاری سے متعلقہ حصے کو قبول کر لیا۔
لیکن مرکزی فیڈریشن سے متعلقہ حصہ کو نامنظور کر دیا۔

صوبجاتی انتخابات ہوئے تو سات صوبوں میں کانگریسی وزارتیں
قائم ہوئیں۔ پنجاب میں یونینسٹ وزارت بنی سندھ میں تمثیل مسلم اللہ بخش بھانی
الہ بخش وزیر اعظم بنے۔

بنگال میں پرجا کرشک پارٹی کے لیڈر فضل الحق نے وزارت
بنائی۔ لیگ کی نمائندگی ہر جگہ برائے نام تھی۔

صوبہ بہار۔ سی۔ پی۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ۔ اڑیسہ اور سندھ
کی قانون ساز اسمبلیوں میں لیگ پارٹی کا ایک بھی ممبر نہیں تھا۔
مسلمانوں کے مجموعی ووٹوں میں سے مسلم لیگ کو صرف ۴.۴ فیصدی

ووٹ ملے۔ پنجاب اسمبلی کے ۱۷۵ ممبران میں سے صرف ایک مسلم لیگی تھا۔

لیگ کی اس مضحکہ خیز پوزیشن سے قائداعظم محمد علی جناح اور انکے ہمنوا لیگی لیڈروں کو سخت پشیمانی ہوئی۔ اور اس شکست کے احساس نے انکے ذہن میں کانگریس اکثریت کے خلاف خدشات کو اور بھی تقویت دی یہاں تک کہ انہوں نے کانگریس اکثریت کے خلاف (جسے انہوں نے ہندو اکثریت کا نام دیا) برملا جہاد شروع کر دیا۔

یہاں یہ بیان کر دینا خالی از دلچسپی نہیں ہوگا کہ ۱۹۱۳ء تک موجودہ فرقہ پرست لیڈر مسٹر جناح کا سیاسی نظریہ قوم پرستانہ تھا۔ ۱۹۱۹ء میں انہوں نے اٹینی سب کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے اپنے قوم پرست ہونے کا ثبوت دیا۔ اور مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب و دیگر جداگانہ مفاد کی گارنٹی وغیرہ کے مطالبات کی سخت مخالفت کی۔ ۱۹۲۵ء میں انکا ایک مضمون "ٹائمز آف انڈیا" میں شائع ہوا جسمیں انہوں نے اس گمراہ کن خیال کی تصحیح کی کہ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے بہت بڑے حامی رہے ہیں۔ اور متعدد بار انہوں نے مشترکہ طریق انتخاب کی حمایت بھی کی ہے۔ ۱۹۲۵ء میں انہوں نے لیجسلیٹو اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا "میں سر اسر قوم پرست ہوں۔ میں اس اسمبلی کے ممبران سے ایک بار پھر اپیل کرتا ہوں کہ خواہ آپ مسلمان ہیں یا ہندو۔ خدا کے لئے

فرقہ وارانہ مسلوں کو اس اسمبلی میں زیر بحث نہ لائیے اور فرقہ وارانہ بحث مباحثہ سے اس اسمبلی کے نام پر جسے ہم صحیح معنوں میں ایک قومی پارلیمنٹ بنانا چاہتے ہیں۔ دھبہ نہ لگائیے۔

لیکن انقلابات ہیں زمانے کے۔ ۱۹۲۵ء کا قوم پرست جناح اب ۱۹۴۶ء میں ہندوستانی قومیت سے منحرف ہے اور برملا یہ اعلان کرتا ہے کہ میں ہندوستانی نہیں ہوں۔

۱۹۳۵ء کے آئین کے زیر عمل منتخب شدہ کانگرسی اکثریتوں نے مسلم لیگ کے ساتھ مل کر کولیشن گورنمنٹ بنانے سے انکار کر دیا اور کئی ایک صوبوں میں کانگرسی وزراء اعظم نے مسلم لیگی وزیروں کو کیبنٹ میں لینے سے پہلے اس بات پر اصرار کیا کہ وہ کانگرسی پروگرام پر دستخط کریں۔

کانگرسی وزارتوں کی عملداری کے دنوں میں گاندھی جینتی اور تلک ڈے سرکاری طور پر منائے جانے سرکاری و فائز پبلک کی عمارتوں، سکولوں وغیرہ پر کانگرسی ترنگا جھنڈا لہرائے جانے۔ بندے ماترم کے گیت۔ ودیا مندر سکیم۔ واردھا سکیم۔ وغیرہ وغیرہ۔ امور کو مسلم تہذیب پر حملہ کے مترادف بیان کیا گیا اور مسلم عوام کو کانگرسی وزارتوں کے خلاف بھڑکایا گیا۔

علاوہ بریں متعدد پمفلٹوں۔ مثلاً پیر پور رپورٹ۔ فضل الحق کی کتاب 'کانگرسی وزارتوں کے زیر مسلم عوام پر مظالم'۔ وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ کانگرسی

. . . . وزارتوں

کے خلاف پراپیگنڈہ کیا گیا۔

یہ تھے وہ حالات جن کے وجود سے موجودہ ہندو مسلم نفاق کی بنیاد پڑی۔ وہی مسٹر جناح جنہوں نے بارہ سال پہلے اسمبلی میں کہا تھا "خدا کے لئے فرقہ دارانہ معاملات کے جھمیلے اس اسمبلی سے دور رکھئے۔ میں اس اسمبلی کو خاص قومی پارلیمنٹ دیکھنا چاہتا ہوں"۔ اسی . . . . . .

. . . . مسٹر جناح کی زیر صدارت ہند مسلم لیگ کے ایک جلسہ میں ۱۹۳۸ء میں یہ ریزولیوشن اتفاق رائے سے پاس کیا گیا کہ "ہندوستان جیسے وسیع براعظم میں دائمی امن کے قیام ہندو مسلم دو قوموں کی اخلاقی اقتصادی اور مجلسی بہتری و نشوونما و سیاسی خود اختیاری کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں۔ مسلم اکثریت کے علاقہ جات کی فیڈریشن و غیر مسلم اکثریت کے علاقہ جات کی فیڈریشن میں تقسیم کر دیا جائے"۔

کانگریسی وزارتوں کے خلاف۔ جسے لیگی مسلمانوں نے "ہندو راج" کا نام دیدیا تھا۔ یہ پراپیگنڈہ ہو ہی رہا تھا کہ جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ اور اس کے بعد مسلم لیگ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ کانگرسی رہنماؤں نے برطانوی گورنمنٹ کو برملا یہ چیلنج دیا کہ اس سے پہلے کہ ہندوستان کے رہنما اتحادیوں کو جنگ میں کوئی اخلاقی یا مالی مدد دینے پر رضامند ہوں۔ اتحادیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اُن مبنی

برانصاف اور انسانی' اصولوں کی صاف صاف وضاحت کریں جنکے لئے۔ اُنکا دعوے ہے کہ وہ لڑ رہے ہیں۔ اگر اتحادی جمہوریت اور انصاف کی بقا کے لئے یہ جنگ لڑ رہے ہیں تو وہ صاف الفاظ میں اعلان کریں کہ کیا اُن 'جمہوریت اور انسانیت' پر مبنی اصولوں کا اطلاق ہندوستان پر بھی ہوگا یا نہیں۔

انگلستان کے ملوکیت پرستوں کا گروہ۔ چرچل اور اُس کے بھائی بند ـــ جو اس وقت انگلستان کی حکومت پر حاوی تھے۔ انڈین نیشنل کانگرس کے متذکرہ بالا مطالبے سے بہت سٹپٹائے۔ اُن کے لئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ گورنمنٹ کا جواب ذومعنی اور دھمکی آمیز تھا۔ ملک کی فضا انتہائی مشتعل تھی۔ کانگرسی وزارتوں نے استعفے دے دئے۔ اور انگریز نے جمہوریت بالائے طاق رکھ دی۔

اب مسٹر جناح اور اُنکے گروہ کے لیگیوں کے لئے اپنی پارٹی کی طاقت بڑھانے کا یہ ایک نادر موقعہ تھا۔ مدتوں کے احساسِ شکست سے دبے دبے یہ لوگ میدان میں آئے اور کھلے بندوں ملک سے غداری کرکے انگریز سے سازباز کی ٹھانی۔ حکومت کو ایسے لیڈروں کی ضرورت تھی جنہیں وزارت کی کرسیوں پر بٹھا کر وہ 'نمائندہ گورنمنٹ' کا ڈھونگ برقرار رکھ سکے۔ مسلم لیگیوں کو ایسے موقع کی ضرورت تھی جبکہ وہ اپنا اقتدار جما کر پارٹی کی پوزیشن مستحکم کرسکیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی لہذا یہ میل راس آیا۔ سندھ کے قوم پرستوں

وزیر اعظم مسٹر اللہ بخش کو اُسکے برطانوی خطاب ترک کر دینے کے جرم کی پاداش میں وزارت سے برخاست کر دیا گیا۔ بنگال میں بھی سیاسی شعبدہ بازی سے گورنمنٹ لیگ کے ہاتھوں دی گئی۔ مختلف صوبوں کی قانون ساز اسمبلیوں میں گورنمنٹ کے منتخب شدہ وزیروں کو برقرار رکھنے کے لئے کانگرسی اپوزیشن کے ممبران کو جیل میں بھیج دیا گیا۔ اس وقت جبکہ ملک کے سیاسی رہنما جیل کی چار دیواریوں میں پڑے سڑ رہے تھے۔ اور عوام۔ ہندو۔ مسلمان اور سب جماعتیں باہم۔ گورے سپاہیوں کی مشین گنوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ لیگ کے رہنما پارٹی کا رسوخ اور طاقت بڑھانے میں مصروف تھے۔ اور اسے قدرت کی ستم ظریفی ہی سمجھو۔ کہ ملک سے غداری کر کے اور آڑے وقت پر مادرِ وطن کی پیٹھ میں چھرا گھونپ کر وہ لوگ اپنے ارادوں میں کامیاب بھی ہو گئے۔

مسلم لیگ نے ہندوستان کے طول و عرض میں کانگرسی وزارتوں سے مسلمانوں کی رہائی پر خوشی کے شادیانے بجائے اور مبارک تقریب کا دن منایا گیا! ادھر ملک کی سیاسی فضا انتہائی مشتعل تھی۔ کرپس صاحب کی آمد اور سیاسی گفت و شنید کی ناکامی نے جلتے پر تیل کا کام کیا۔ اور گاندھی جی کی انفرادی سول نافرمانی کی دبی دبی چنگاریاں ۱۹۴۲ء کی خوفناک بغاوت کی صورت میں بھڑک اٹھیں۔ ملک کے قوم پرست عناصر اور ملوکیت پرست دیسی راج میں کھلم کھلا جنگ ہو رہی تھی۔

اور مسلم لیگ کے مدبر پارٹی کا اثر و رسوخ اور طاقت بڑھانے میں مصروف تھے! آگ بھڑکی اور زوروں سے بھڑکی۔ آزادی کے بھوکے۔ بے چین۔ مشتعل ہجوموں نے ٹیلیفون و ٹیلیگراف کے ذرائع کاٹ ڈالے۔ گاڑیوں کی آمد و رفت بند کر دی گئی۔ دفتر جلائے۔ پولیس چوکیوں پہ حملے بول دیئے۔ اور کئی ایک دور دراز مقامات پر سودیشی راج قائم بھی کر لیا۔ گورے و کالے فوجیوں کی کٹیلی سنگینوں نے اس بغاوت کو دبایا۔ نہتے مفلس باغیوں پر ہوائی جہازوں سے بم گرائے گئے۔ مشین گنوں سے حملے کیئے گئے۔ نائٹرنگ۔ لاٹھی چارج۔ ٹیر گیس۔ یہ روزانہ استعمال کی چیزیں تھیں۔ مادر وطن کے ہزار ہا سپوت لقمہ اجل ہو گئے۔

آہستہ آہستہ بغاوت فرو ہو گئی اور ایک ایسے دور کا آغاز ہوا جبکہ ہزار ہا محب وطن جیلوں میں پڑے سڑ رہے تھے۔ گورنمنٹ صلح کا نام تک لینے سے احتراز کرتی تھی۔ جنگی مصروفیات کچھ ایسی تھیں کہ انہیں صلح کے لئے گفت و شنید کی فرصت ہی نہ تھی۔ مسلم لیگی وزیر یہ چاہتے تھے کہ انکے ہموطن کانگرسی رہنما جنہیں وہ اپنا سیاسی حریف سمجھتے تھے ہمیشہ جیل میں ہی رہیں تو بہتر تاکہ انکی گدی برقرار رہے۔ شری بہت بھولا بھائی ڈیسائی اور راجگوپال آچاریہ جیسی شخصیتوں نے سیاسی جمود میں تحریک پیدا کی اور ڈیسائی لیاقت فارمولا معرض وجود میں لا کر گورنمنٹ کو اس بات پہ رضامند کیا کہ ملک کی سیاسی صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے کچھ اقدام اٹھائے جائیں۔ وائسرائے ہند لارڈ ویول کی انگلستان کو

اُڑان انہی کوششوں کا نتیجہ تھی لیکن اس تمام انقلابی عرصہ کے دوران
میں جبکہ کانگرسی حریف، جیلوں میں رہے مسلم انڈیا کے فرقہ وارانہ
عنصر نے سیاسی زمین میں اپنے پاؤں پوری طرح جمائے تھے۔

شملہ کانفرنس کا سانحہ

۱۴ / جون ۱۹۴۵ء کی ایک شام کو ہندوستان کے طول و عرض میں لوگ خوشی سے جھوم اُٹھے اور انہوں نے سمجھا کہ ہندوستان کی قسمت جاگ اٹھی ہے جبکہ وائسرائے ہند لارڈ ویول نے دہلی سے آل انڈیا ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے تمام سیاسی لیڈروں کی رہائی اور ہندوستان کی "قومی گورنمنٹ" کے قیام کے لئے شملہ میں ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کے درمیان ایک مصالحتی کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا۔

اس سے پہلے ملک میں مایوسی کی فضا محیط تھی۔ گورنمنٹ اور کانگرس کے درمیان کی کشمکش ایک نا قابل حل مسئلہ بن کر رہ گئی تھی۔ ہزاروں محب وطن جیلوں میں پڑے سڑ رہے تھے۔ اور وقت کے حاکم ان کی رہائی کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ مصالحت کے اقدام تو کجا رہے۔

وائسرائے کے اعلان سے جمود کا عالم ٹوٹا اور ملک کی سیاسی فضا میں حرکت پیدا ہوئی۔ کانفرنس کے انعقاد کا فوری مدعا۔ جیسا کہ لارڈ ویول نے اپنے اعلان میں واضح کیا۔ ملک میں سیاسی پارٹیوں کی ایک نمائندہ ایگزیکٹو کونسل مقرر کرنا تھا جسے انہوں نے "عارضی" یا "وقتی گورنمنٹ" کا نام دیا۔ اس مطلب کے پیش نظر انہوں نے ملک معظم کی گورنمنٹ کی منظوری سے ہندوستانی رائے عامہ کے نمائندوں کو شملہ میں مدعو کیا تاکہ وہ مجوزہ "نمائندہ" ایگزیکٹو کونسل کے قیام میں ضروری رائے و امداد دیں۔ وائسرائے نے اپنی تقریر میں واضح کیا کہ مجوزہ کونسل ہندوستان کی اہم سیاسی جماعتوں کی نمائندگی کرے گی۔ جسکے ممبران نصف ہندو اور نصف مسلمان ہونگے۔ یہ موجودہ آئین کے زیر کام کرے گی۔ لیکن یہ قطعی ہندوستانی کونسل ہوگی (سوائے وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے (موخر الذکر بطور جنگی نمائندہ کے تھے۔ لہذا انکی ممبری محض جنگ کے خاتمہ تک تھی)۔

جاپان کے خلاف جنگ جاری رکھنے اور ملک کے نظم و نسق کو چلانے کے علاوہ مجوزہ "نمائندہ" ایگزیکٹو کونسل کو یہ اختیارات تھے کہ وہ جب مناسب خیال کرے۔ ہندوستانی رائے عامہ کے نمائندوں پر مشتمل ایک قانون ساز اسمبلی بلائے۔ جو ہندوستان کی مستقبل کی حکومت کا ایسا آئینی ڈھانچہ تیار کرے جو ملک کی اہم سیاسی پارٹیوں کو قابل قبول ہو۔

اس مقصد کے پیش نظر ملک کے مقبول لیڈروں کو جن میں مہاتما گاندھی مولانا ابوالکلام آزاد۔ قائد اعظم محمد علی جناح۔ ماسٹر تارا سنگھ اور راجہ بہادر این شیوا راؤ شامل تھے۔ کانفرنس میں شرکت کے لئے دعوت نامے بھیجے گئے

اسی دوران میں ولائت سے اس وقت کے وزیر ہند مسٹر امیری نے نئی پیش کش کی وضاحت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "ہندوستان پر آزادی کے حصول کے سلسلہ میں کوئی پابندی نہیں ہے لیکن انگریز جانے سے پہلے، ملک کا نظم و نسق ایسی ایک حکومت یا حکومتوں کو ہی سونپ سکتے ہیں جو انتظام کرنے کی اہلیت اور طاقت رکھتی ہوں۔ ہم ہندوستان کو افراتفری اور خانہ جنگی کی حالت میں نہیں چھوڑ سکتے"! ساتھ ہی آپ نے فرمایا۔

"ملک کی اندرونی سیاسی پیچیدگی حل ہونے میں نہیں آتی۔ یہ پیچیدگی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تضاد کا نتیجہ ہے۔ اگر ہندوستان کے ہندو اور مسلمان سیاسی رہنما موجودہ مشکل کا کوئی حل ڈھونڈ نہیں سکے تو اسمیں انکا کوئی دوش نہیں۔ دراصل متنازعہ امور ہیں ہی بہت پیچیدہ اور دونوں پارٹیوں کے طریقہ ہائے حل مختلف ہیں چونکہ اُنکے سیاسی نظریئے ایک دوسرے کے متضاد ہیں"!

وزیر ہند نے اپنی تقریر میں متعدد بار اسبات کا اعادہ کیا کہ ہندوستان کے مسائل دراصل ہیں ہی بہت پیچیدہ۔ لہٰذا۔۔۔ ہندو۔ مسلم تصفیہ اگرچہ ہے تو بہت مشکل لیکن انگریز پھر بھی

(انسانیت کے نام پر!) ہندو مسلم تصفیہ کروانے اور ہندوستان کی گورنمنٹ کو اُسکے باشندوں کے ہاتھوں سونپنے کی نیک کوشش کریں گے!

۲۷ جون کو ملک کے طول و عرض سے سیاسی جماعتوں کے نمائندے وائسریگل لاج میں اکٹھے ہوئے۔ اخباروں نے یہ خبر نشر کی کہ ابتدائی اصول مساویت پر پارٹیوں میں سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ اس سے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگ فرطِ مسرت سے پاگل ہو اُٹھے۔ "اجی! بس اب آزادی چند ہفتوں کی بات ہے!" اکثر لوگوں نے ایسا سوچا۔ لیکن جو سیاسی نقاد انگریز کی ڈپلومیسی۔ جناح کی ہٹھ دھرمی اور کانگریس کی "اصول پرستی" سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ اندر آں حالات سمجھوتہ تقریباً ناممکن تھا۔

سیاسی پیش کش کے ساتھ ہی انگریز حکمرانوں کی یہ کڑی شرط تھی کہ "تمام پارٹیاں اگر کسی ایک سمجھوتہ پر متفق ہونگی۔ تب تبدیلی عمل میں لائی جائیگی۔ ورنہ موجودہ طریقِ حکومت چلتا رہے گا۔" جناح صاحب نے جب یہ دیکھا کہ اعلان کے مطابق سیاسی تبدیلی عمل میں لائے جانے سے پہلے تمام پارٹیوں کا متفقہ فیصلہ لازم ہے۔ اور ایک اہم پارٹی کی تمام باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہے۔ تو تن گئے۔ اور یہ مطالبہ پیش کیا کہ جب تک حکومت اور کانگریس مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم نہیں کریں گے۔ انکی پارٹی وقتی گورنمنٹ میں شامل ہونے کے

لئے تیار نہیں۔

جب وائسرائے ہند نے مدعو شدہ جماعتوں کے لیڈروں سے یہ فرمائش کی کہ وہ اپنی اپنی پارٹی کی طرف سے ایگزیکٹو کونسل میں لئے جانے کے لئے امیدواروں کی لسٹیں بھیجیں تو قائداعظم محمد علی جناح نے وائسرائے ہند سے اسبات کا مطالبہ کیا کہ وہ تحریری گارنٹی دیں کہ تمام مسلمان جو ایگزیکٹو کونسل کی ممبری کے لئے منتخب کئے جائیں گے مسلم لیگ کی طرف سے پیش کردہ لسٹ سے ہونگے۔ وائسرائے ہند نہ صرف دیگر مسلم جماعتوں — احرار خدائی خدمتگار، شیعہ مسلم، جمیعت العلمائے ہند۔ پرو جا کرشک۔ کانگرسی مسلمان وغیرہ۔ کو ہی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے بلکہ مروجہ آئینی اصولوں کے مطابق وہ بطور ملک کے انتظامیہ صدر کے اپنی آزادی انتخاب پر کوئی پابندی نہیں لگا سکتے تھے۔ لہذا انہوں نے مسٹر جناح کا مطالبہ ماننے سے معذرت ظاہر کی۔ اس پر جناح صاحب نے صاف الفاظ میں اپنی پارٹی کی طرف سے عارضی گورنمنٹ میں شمولیت سے انکار کر دیا اور شملہ کانفرنس ناکام ہو گئی۔

لیگ کی درپردہ میٹنگوں میں کیا کچھ ہوا یہ صیغہ راز میں رہا لیکن مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے چند ممبران سے بات چیت کے دوران میں یہ معلوم ہوا کہ لیگ کمیٹی کے ممبران کی ایک کافی بڑی تعداد کانگرس اور حکومت سے سمجھوتہ کر کے عارضی گورنمنٹ میں شمولیت کے حق میں تھی۔ لیکن سنا جاتا ہے کہ جناح صاحب نے انہیں دھمکی دی کہ اگر وہ

"قائد اعظم" کے ارشاد کے خلاف چلیں گے تو قائد اعظم اسے اپنی لیڈری میں عدم اعتماد کے مترادف سمجھیں گے اور لیگ کو ایک "قابل" لیڈر کی رہنمائی سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔

مسلم لیگ کا پاکستان کا مطالبہ کس حد تک بجا ہے اور کس صورت میں بجا ہے یہ ایک علیحدہ سوال ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شملہ کانفرنس کی ناکامی کے لئے جناح صاحب کی ہٹھ دھرمی ذمہ دار تھی۔ اور انکی نامناسب ضد کے لئے انہیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔

وائسرائے ہند اور وزیر ہند نے اپنی تقریروں میں یہ بات صاف طور پر واضح کی تھی کہ عارضی گورنمنٹ محض عارضی ہی تھی۔ اور وہ گورنمنٹ "پاکستان یا اکھنڈ ہندوستان" سے متعلقہ مسئلہ پر کوئی اثر ڈالنے کی مجاز نہ تھی۔

اسکے علاوہ عارضی گورنمنٹ کے انعقاد کے کچھ عرصہ بعد مرکزی و صوبجاتی انتخابات ہونے تھے جس سے ہر پارٹی کی طاقت لوگوں پر خاطر خواہ عیاں ہو جاتی اور یہ بخوبی معلوم ہو جاتا کہ مسٹر جناح ۱۰۰ فیصدی مسلمانوں کے نمائندہ ہیں یا پچاس فی صدی کے۔

ان متعدد تاروں۔ پیغاموں اور درخواستوں کو جو ملک کے طول و عرض سے متعدد مسلم جماعتوں۔ احرار۔ خدائی خدمتگار۔ پرجا کرشک۔ نیشنل مسلم۔ جمعیت العلما۔ وغیرہ وغیرہ۔ کی طرف سے کانگرس پریذیڈنٹ

اور حکومت وقت کو موصول ہوئیں۔ اور جنہیں متذکرہ بالا جماعتوں کے رہنماؤں نے برملا مسٹر جناح کی لیڈری میں عدم اعتماد ظاہر کیا۔ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مسلم لیگ کے ممبران کی تعداد دیگر جماعتوں سے زیادہ ہی سہی لیکن اُن جماعتوں کی ہستی سے تو کسی کو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہر فرد و پارٹی کو اظہار خیال اور نمائندگی کی اجازت ہونا۔ یہ جمہوریت کا پہلا اصول ہے۔ سُنا جاتا ہے کہ کانگریس پریذیڈنٹ نے لیگ پارٹی کو یہاں تک پیش کش کی کہ وہ (مولانا آزاد) ایگزیکیٹو کونسل میں کانگریسی مسلمان کوئی نہیں بھیجیں گے بشرطیکہ مسٹر جناح دو ایسے مسلمان مسلم لسٹ میں شامل کریں جو متذکرہ بالا جماعتوں کی نمائندگی کریں اور مسلم رائے عامہ کے باشعور نمائندہ ہوں۔ مگر مسٹر جناح نے اس پیش کش کو قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

مطالبہ تقسیم کی بنیادیں

اگر ہم پاکستان کے مطالبہ کے زیر سطح کام کر رہے محرکات، و پاکستانی تحریک سے متعلقہ دیگر سیاسی و اقتصادی حالات کا تجزیہ کریں تو ہم اُن امور کو بخوبی سمجھ سکیں گے جن پر پاکستانی تحریک کی بنیادیں قائم ہیں۔

برطانوی پالیسی جن عناصر نے پاکستان کو جنم دیا اور اس کی نشوونما میں مدد دی انکی فہرست میں برطانوی ملوکیت پرستوں کی تباہ کن پالیسی کا نمبر سب سے پہلے آتا ہے۔ پچھلے صفحات میں اس امر کی بخوبی وضاحت کر دی گئی ہے کہ کس طرح ہندوستان پر قبضہ برقرار رکھنے کے لئے برطانوی حکمرانوں نے "نفاق ڈالو اور حکومت

کرو، کی پالیسی کو ذاتی اغراض کے لئے اندھا دھند استعمال کیا۔ کسی شاعر نے کسی وقت کہا تھا۔ ع

خدا کی دین کا موسٰے سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائے پیامبری ہو جائے

(روائت ہے کہ حضرت موسٰے جو اوائل عمر میں ایک معمولی گڈریا تھے۔ ایک بار ویرانے میں بھیڑ بکریاں چرا رہے تھے کہ دور سے انہیں آگ جلتی دکھائی دی۔ آپ حضرت آگ لینے کے لئے اس طرف چل دئے۔ لیکن جائے مخصوصہ پر پہنچے تو انہیں وہاں خدا کا جلوہ نظر آیا اور وہ معمولی گڈریے سے پیغمبر بن گئے)

متذکرہ بالا شعر اہل برطانیہ کی ہندوستان میں آمد اور عروج پر عین صادق آتا ہے۔ یہ لوگ ہندوستان میں محض تجارت کی غرض سے آئے۔ لیکن ملک میں داخل ہوتے ہی انکے سرگردہوں نے بھانپ لیا کہ ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا ہے۔ جن کے درمیان بغض و رقابت زوروں پر ہے۔ ہندوستان کے متضاد سیاسی و سوشل عناصر نے کچھ ایسی صورت حال پیدا کی کہ نو وارد تجار لوگ حکمران بن گئے جس نفاق نے انہیں آن واحد میں تاجروں سے اتنے بڑے ملک کے حکمران بنا دیا اسے برقرار رکھنا ضروری تھا۔ لہٰذا اوائل عہد سے اس پالیسی پر عمل در آمد جاری رہا۔

اگر ہم ہندوستان میں انگریزی راج کی پچھلے چالیس سال کی تاریخ

کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں بخوبی معلوم ہو جائیگا کہ پاکستان کا یہ طوفانی غوغہ بہت حد تک انگریزی حکومت کا پیدا کردہ ہے۔ چونکہ حالات اور سیاسی ضروریات کے مطابق (سیاسی ضروریات جنمیں سراسر برطانوی مفاد محفوظ ہیں) برطانوی حکومت پاکستان کے حق میں اور اسکے خلاف بیانات دیتی رہی ہے۔

جب ۱۹۳۹ء میں جنگی کوششوں کے سلسلہ میں گورنمنٹ کو کانگرسی رہنماؤں اور انکے ذریعہ ہندوستانی عوام کی مدد کی ضرورت تھی تو وائسرائے ہند نے یہ اعلان کیا کہ ۱۹۳۵ء کا آئین نہایت مدلل اور ہر لحاظ سے کامل ہے۔ جسکا دوسرں معنوں میں مطلب یہ تھا کہ مضبوط مرکزی حکومت ہی ہندوستان کے سیاسی حالات کے موافق ہے لیکن ۱۹۴۰ء میں جب جنگی حالات انگریزوں کے خلاف تھے اور انہیں کانگرس و ہندوستان کے دیگر قوم پرست عناصر سے مدد کی امید نہ رہی تو وائسرائے ہند نے اعلان کیا کہ " یہ بلاشبہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ موجودہ حکومت ہندوستان اپنے امن عامہ و بہتری سے متعلقہ ذمہ داریوں کو کسی ایسی (ہندوستانی) گورنمنٹ کے ہاتھ میں سونپنے کے لئے تیار نہیں جسے ملک کی نمایاں اور طاقتور سیاسی جماعتوں کی حمایت حاصل نہ ہو۔ نہ ہی انگریزی حکومت ایسا کوئی قدم اٹھانے کے لئے تیار ہے جس سے کہ متذکرہ بالا جماعتوں کو مجبوراً ہندوستان کی کسی مجوزہ گورنمنٹ کے زیر اختیار لایا جائے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں اسکا مطلب یہ تھا کہ حکومت نے دبی زبان

میں لیگ و دیگر فرقہ پرست عناصر کی حمایت کی اور یہ امر قوم پرستوں پہ واضح کیا کہ جب تک فرقہ پرست گروہوں کی حمایت و رضامندی شامل حال نہ ہوگی۔ ہندوستان میں کسی بھی "قومی" یا ذمہ دارانہ مرکزی حکومت کا سوال معرض التوا میں رہیگا۔

ہندوستان میں "قومی" حکومت کے قیام کے معاملہ کو التوا میں ڈالنے کی نیت سے اس وقت کے وزیر ہند مسٹر ایمری نے ۱۴ اگست ۱۹۴۰ء کو اپنے اعلان میں کہا: "ہندوستان کی سیاسی گتھی کا حل تلاش کرنے کے لئے ہمیں یقیناً موجودہ آئینی سکیم میں تبدیلیاں کرنا پڑیں گی۔ چونکہ موجودہ آئین کی موجودگی میں ہندوستان کے فرقہ دارانہ مسئلہ کا حل ناممکن ہے"۔

اس کے بعد ۱۸ نومبر ۱۹۴۱ء کو وزیر ہند مسٹر ایمرے نے کہا "صوبجاتی خودمختاری کے تجربے نے ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوستانی ریاستوں پہ یہ بات واضح کر دی ہے کہ وہ ایسی کسی ایک مرکزی حکومت کے زیر تحت آنے کے لئے تیار نہیں جسمیں ایگزیکٹو (انتظامیہ کونسل) براہ راست مرکزی اسمبلی کی اکثریت کے سامنے جواب دہ ہو چونکہ۔ اگر صوبجاتی خودمختاری کا تجربہ کسی حد تک حالات کا آئینہ دار ہے۔ تو مرکزی اسمبلی کی اکثریت یقیناً کانگرس پارٹی کے زیر اقتدار ہوگی"۔

اسکے بعد جب شری یت راجگوپال آچاریہ نے لیگ کے نیتاؤں کے ساتھ گفت و شنید کے دوران میں پاکستان کا مطالبہ بنیادی طور پہ

تقریباً مان لیا اور لیگ کانگریس اتحاد ممکن نظر آیا تو گورنمنٹ نے شری یت راجگوپال آچاریہ کو جیل میں گاندھی جی سے ملنے کی اجازت نہ دی۔

امر واقع یہ ہے کہ برطانوی فتنہ گر 'پاکستان' کے ہتھیار کو ملک میں اپنا رسوخ برقرار رکھنے کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ کانگریس کو سلطنت کے مفاد کے خلاف کسی تحریک پر آمادہ پایا تو جھٹ اعلان کردیا۔ "آخر ہندو اکثریت کے غلبہ سے اقلیتوں کی حفاظت بھی تو ضروری ہے!" اور ادھر لیگی مسلمانوں کو اپنی سیاسی گرفت سے ذرا باہر جاتے دیکھا تو متحدہ ہندوستان برقرار رکھنے کی دھمکی دیدی۔ جب تک محض 'ہوتے ہیں' سے کام چلے گا انگریز چلاتا رہیگا۔ آخرکار جب فیصلہ کرنا ہی پڑا تو غالباً برطانوی حکمران ملک کے حصے بخرے کرکے ہی چھوڑیں گے چونکہ اس سے اُنکے تجارتی اور دیگر مفاد ہمیشہ برقرار رہیں گے۔

کانگریس کو برطانیہ سے تجارتی تعلقات وغیرہ منقطع کرنے دیکھیں گے، تو پاکستانی عناصر سے مل کر سیاسی دباؤ ڈالا جائیگا۔ ادھر پاکستانی خطہ کو رُوس سے دوستی گانٹھنے پائیں گے۔ تو قوم پرست اگر وہیں سے رشتہ ناطہ جوڑ لیں گے۔ بہرحال 'بندر بانٹ' سے برطانوی حکومت نفع میں ہوگی اور ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں خسارے میں۔

صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ ہر جگہ جہاں جہاں برطانوی اقتدار پہنچا 'بندر بانٹ' کی ضرورت ساتھ ہی پیدا ہوئی۔ مصر، فلسطین، لبنان اور دیگر ایسے مقامات کے سیاسیات ملاحظہ کیجیئے۔ کہیں ہندو مسلمان کا جھگڑا ہے تو کہیں عرب اور یہودیوں

کے درمیان عداوت ہے۔ ادھر بنگال کی تقسیم ہو رہی ہے۔ تو ادھر سوڈان کو مصر سے علیحدہ کیا جا رہا ہے۔

ہندو مسلم سوال محض ایک وقتی بہانہ ہے۔ بفرض محال آج مسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان نہ صرف سمجھوتہ بلکہ مکمل اتحاد ہو جائے تو اس سے اگلے روز ہی دیسی ریاستوں کے حقوق کی حفاظت کا سوال کھڑا کر دیا جائیگا اور اسکے بعد ہندوستان کے کروڑہا اچھوتوں اور دیگر پسماندہ جماعتوں کی حفاظت کا دعوےٰ کیا جائیگا۔ انگریزوں نے تمام دُنیا میں امن قائم رکھنے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے! برطانیہ کے لئے یہ دردسر ہے تو بہت تکلیف دہ لیکن آخیر دُنیا میں انصاف اور جمہوریت، بھی تو برقرار رکھنے ہیں۔ اہل برطانیہ نہ ہوں تو شاید دنیا تھوڑے ہی دنوں میں باہمی سر پھٹول سے تباہ ہو جائے۔ ایشیا کی تمام سیاہ خام قوموں کو سفید فام قوموں کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ بغیر کسی معاوضہ کے یہ لوگ مقبوضہ علاقہ جات کے جاہل باشندوں کو تہذیب سکھاتے ہیں اور آمادہ بر جنگ جماعتوں میں امن قائم رکھتے ہیں! کتنے اچھے ہیں یہ لوگ؟ جو زحمت اٹھا کر اپنے مفاد کو قربان کر کے دوسروں کے گھر بار کا انتظام کرتے ہیں۔

مسلم نواب و زمیندار

ملکی تقسیم کے مطالبہ کی دوسری بنیاد مسلمان زمینداروں اور نوابوں کا ایک گروہ ہے۔ نوابوں اور بڑے زمینداروں کی اس جماعت کی عیش و عشرت

کی زندگی کا دارو مدار ایک دقیانوسی اور فرسودہ اقتصادی نظام —— زمینداری سسٹم سے پر قائم ہے۔ اس فرسودہ نظام کو برقرار رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوام کو موجودہ دور کی تمام ترقی پسند اشتراکیت و کمیونزم ایسی عوامی تحریکوں کے اثرات سے دور رکھا جائے۔ تاکہ ان نوابوں اور زمینداروں کی کروڑہا روپوں کی ذاتی ملکیتیں اور جائدادیں برقرار رہیں۔ لہذا وہ مسلم عوام کو ایک ایسے خطے میں نظر بند کر دینا چاہتے ہیں جہاں مذہبی مولویوں اور ملاؤں کی فضا ہو۔ جو خطہ جدید اشتراکیت و دیگر ایسی تحریکات کے اثرات سے محفوظ ہو۔ جہاں زمینداری اور سرمایہ داری کو بقا ہو اور "اعلےٰ حضرات" کی ایک جماعت کے سامنے غریب عوام دو زانو۔ با ادب با ملاحظہ ہوشیار کھڑے ہوں۔ کچھ عرصہ ہوا جب کانگرس کے نیتا پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کے ہمخیال دیگر سیاسی رہنماؤں نے اشتراکیت خیز تقریروں کی ایک مسلسل تحریک شروع کی تھی تو زمینداروں کا یہ گروہ بوکھلا اٹھا تھا اور انہیں افراتفری پھیل گئی تھی۔

حال ہی میں کانگرس کے صدر مولانا ابو الکلام آزاد نے ایک موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں آزاد ہندوستان میں سوشلسٹ (اشتراکیت کے اصولوں پر مبنی) گورنمنٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس نوعیت کی تقریریں اور کانگرسی نیتاؤں کی دیگر تحریکوں سے مسلم زمینداروں میں یہ ڈر پیدا ہو گیا ہے کہ اگر کانگرس کے زیر اثر کوئی "قومی" حکومت قائم ہوئی

تو وہ سب سے پہلے عوام کی حالت کو بہتر بنانے کے لیئے زمینداری نظام کا (جس کے بل بوتے پر اُنکی عیش پرستیاں قائم ہیں) انسداد کریگی۔ لہٰذا اس خدشہ سے گھبرا کر وہ لوگ بار بار اسبات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ملک کو مسلم اکثریت اور ہندو اکثریت کے خطّوں میں علیحدہ علیحدہ تقسیم کر دیا جائے تاکہ مسلم خطّے کے عوام اُنکے زیر اثر رہیں۔

مسلم زمینداروں کی اس جماعت کے متعلق ذکر کرتے ہوئے مشہور مصنف لوئی فسچر نے اپنے ایک مضمون میں جو شمالی ہندوستان کے مشہور انگریزی اخبار ٹربیون مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۴۶ء میں چھپا۔ رقمطراز ہیں۔

"مسلم لیگ زیادہ تر بڑے بڑے زمینداروں پر مشتمل ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ آزاد ہندوستان سب سے پہلے زمینداری سسٹم میں تبدیلیاں لائیگا۔ ہندو کارخانہ دار آزادی چاہتے ہیں تاکہ ہندوستان کی صنعت کو فروغ ہو۔ موجودہ حکومت نے انگریز کارخانہ داروں کے مفاد کے لئے ہندوستان کی صنعتی ترقی کی تمام راہیں روک رکھی ہیں۔ اُسکے برعکس مسلم زمیندار سیاسی آزادی کے لئے بیقرار نہیں۔ چونکہ انگریز حکمران اپنے اقتصادی مفاد کے لئے ہندوستانی زراعت کی حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں۔"

آگے جا کر آپ لکھتے ہیں۔

"پاکستان ایک غریب علاقہ ہوگا جو بڑے زمینداروں کے زیر اقتدار ہوگا۔ پاکستان ایران ثانی ہوگا۔ میں یہ تو بخوبی سمجھ سکتا ہوں کہ

مسلمان زمیندار پاکستان کیوں چاہتے ہیں لیکن یہ میری سمجھ سے باہر ہے
کہ غریب مسلم کاشتکار اور عالم اور کاروباری لوگ پاکستان کے مطالبے کی
حمایت کیوں کرتے ہیں۔"

ہندو چھوت چھات — جن امور نے پاکستانی تحریک کو تقویت دی
ان میں سے تیسرا نمبر ہندو دھرم میں چھوت
چھات کی موجودگی اور پرانی وضع کے ہندوؤں کا نسلی امتیاز و ذات پات
ایسے فرسودہ اصولوں پر مبنی طرز عمل ہے۔

مسلم لیگی لیڈر خواہ کتنے ہی متعصب اور فرقہ دارانہ ذہنیت کے
کیوں نہ گردانے جائیں لیکن یہ امر واقع ہے۔ ہندوؤں میں بھی ایک
ایسا طبقہ موجود ہے جو ترقی اور جمہوریت کے اس دور میں بھی وہی ہزار
سال پہلے کی پرانی بین بجائے جا رہا ہے۔ کٹر ہندو سبھائی خیال کے
کئی ایک چیدہ ہندو لیڈروں نے کئی بار برملا یہ کہا ہے کہ ہندوستان
ہندوؤں کا ہے۔ مسلمانوں کا اصلی وطن عرب اور مکہ ہے۔ اگر وہ
امن پرست مہمان یا ہمسایہ کے طور پر یہاں رہنا چاہتے ہیں تو رہیں ورنہ
اپنے اصلی وطن عرب کو لوٹ جائیں۔

اس قسم کا نظریہ اور وطیرہ مجموعی ملکی مفاد کے سراسر منافی ہے اور اس
نوعیت کی اشتعال انگیز تقریریں نہ صرف مختلف جماعتوں کے درمیان
منافرت پھیلاتی ہیں بلکہ ملک کی سیاسی اور مجلسی ترقی میں سنگ راہ
ہیں۔

ہندوستان۔ ہندوؤں۔ مسلمانوں۔ سکھوں اور اُن تمام فرقوں کا جو یہاں عرصہ سے آباد ہیں۔ مشترکہ وطن ہے۔ محض اس تاریخی امر کی بنا پر کہ مسلمان۔ ہندوؤں سے کچھ عرصہ بعد اس سرزمین میں وارد ہوئے۔ یہ نہیں گردانا جاسکتا کہ ہندوستان ہندوؤں کا۔ اگر اس طریق پر دلیل دی جائے تو ہندو آریہ بھی تو آخر وسط ایشیا سے ہندوستان میں آئے لہٰذا وہ بھی اگر پر امن مہمان کے طور پر نہ رہ سکیں، تو انہیں بھی وسط ایشیا کو واپس لوٹ جانا چاہیئے۔ باقی رہے دراوڑ۔ بھیل اور گونڈ۔

یوں بھی ہندوستان میں مقیم مسلمانوں کی اکثریت ہندوؤں سے تبلیغ شدہ ہے۔ اُنکے آباو اجداد عرب سے نہیں آئے بلکہ اسی سرزمین میں ہی پیدا ہوئے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ ہندوؤں کے ایک دقیانوسی طبقہ میں چھوت چھات کا احساس۔ اور نسلی امتیاز اب بھی ہے۔ جو حساس مسلمانوں کی ضمیر کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ نیز اسلام بنیادی طور پر نسلی امتیاز کی قیدوں سے مقابلتاً زیادہ آزاد ہے۔ اور عملی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں مسلمان بغیر جھجک ہندو گھرانے میں کھانا کھانے کے لئے تیار ہو گا اور اُسکے برعکس ہندوؤں میں اکثر لوگ اب بھی مسلمان کے ہاتھ سے بنی ہوئی اشیائے خورد و نوش لینے سے احتراز کرتے ہیں۔ آج سے چالیس پچاس، برس پہلے تو کٹر براہمنی نقطہ نظر کے ہندو۔ مسلمانوں کو اچھوت ہی تصور کرتے تھے اور اس خیال کے ہندو۔ جنکی تعداد خوش قسمتی سے دن بدن بہ سُرعت تمام

کم ہو رہی ہے۔ اب بھی ذات پات کے بکھیڑوں پر مبنی ذاتی برتری
کے احساس کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں مسلمان اگر جواباً تبلیغ
پاکستان۔ پان اسلام ایسی تحریکیں شروع کریں تو غیر اغلب نہیں۔

یہ ایک حوصلہ افزا نشانی معلوم ہوتی ہے کہ ہندوؤں میں دن بدن
فرقہ پرستی اور چھوت چھات کا احساس کم ہو رہا ہے۔ جسکا ثبوت یہ
ہے۔کہ کانگریس۔ (جو ایک بلا ذات پات کے امتیاز کے۔ قومی جماعت ہے)
کے نمائندوں کو ہندو سبھا کے نمائندوں کے مقابلہ میں ہر جگہ کامیابی ہوئی
نیز موجودہ دور میں انتر دھرم بیاہ۔ ذات پات توڑک منڈل ایسی سبھا،
سوسائٹیوں کا عروج ہندوؤں میں برسرعت تمام پیدا ہو رہی فراخ دلی
کا ثبوت ہیں۔ اس کے برعکس مسلم عوام میں فرقہ پرستی کا یہ دور
افسوسناک ہے۔

پاکستان اور مسلم عوام پاکستانی تحریک کا چوتھا ستون ہندوستانی
مسلم عوام کی جہالت ہے۔ یہ امر واقع ہے
کہ ہندوستان کے لکھو کہا مسلم عوام جو انتہائی جوش سے "پاکستان زندہ باد"
کا نعرہ لگاتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ پاکستان ہے کیا؟ سب سے عجیب
بات یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کے مسلمان پاکستان کے لئے اتنے
بیتاب نہیں (بلکہ انہیں سے لاکھوں مسلمان ملک کے حصے بخرے کئے جانے
کے سخت خلاف ہیں۔ مثال کے طور پر سرحد کے پٹھان نہ صرف پاکستان
کی مذمت کرتے ہیں بلکہ اُسکے خلاف بغاوت کرنے کے لئے آمادہ ہیں)

اور ہندو اکثریت کے صوبوں کے مسلمان پاکستان کے قیام کے لئے انتہائی سرگرمی دکھاتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مجوزہ سکیم کے زیرعمل اگر تقسیم کو عملی جامہ دیدیا گیا تو وہ 'ہندو راج' میں ہونگے اور مسلم راج کے مسلمانوں سے اُنکے تعلقات ایک لحاظ سے منقطع ہو جائیں گے۔ اور ٹھیک اسی طرح جیسے مسلم راج کے ہندو باشندے اپنے آپکو پاکستان میں اجنبی (باوجود اسبات کے کہ مسٹر جناح انکی حفاظت کا یقین دلاتے نہیں تھکتے) خیال کریں گے۔ اسی طرح 'ہندو راج' کے مسلم باشندے اپنے آپ کو اجنبی پائیں گے۔ کیا یو پی کے پاکستانی یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے قیام پر وہ لوگ تمام کے تمام۔ پاکستان میں ہجرت کر جائیں گے؟ صریحاً یہ خیال ناقابلِ عمل اور ناممکن معلوم ہوتا ہے!

اور اُسکے برعکس اگر ہندوستان متحدہ رہے تو نہ صرف 'پاکستان' کے ہندو بلکہ 'ہندوستان' کے مسلم بھی اپنے آپکو اپنے اپنے علاقوں کے حقیقی باشندے تصور کریں گے۔

امر واقع یہ ہے کہ بدقسمتی سے ہندوستان کے عوام پر اسقدر جہالت اور تاریکی مسلط ہے کہ کسی بھی تحریک کے سیاسی اور اقتصادی پہلو پر غور و خوض کرنے کی انمیں قابلیت ہی نہیں۔ وہ پاکستان ایسی تحریک کے اقتصادی پہلو کو سمجھ ہی نہیں سکتے اور اُنکا موجودہ نقطۂ نظر کچھ اسقدر تنگ اور دقیانوسی ہے کہ مذہبی پہلو کے علاوہ وہ اور ہر پہلو سے لاتعلق ہیں۔ پاکستان کا بار بار الاپ اِن اَن پڑھ جاہل باشندوں کے

لئے ایسے ہی ہے جیسے کوئی بدھو بھوت لبس میں کرنے کے لئے نہایت اشتیاق سے بے معنی منتر بار بار دہراتا رہے۔ جسکے مطلب سے وہ بالکل ناآشنا ہو۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں مزے ہی مزے ہونگے جہاں مسلم عوام کا راج ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے ہندو عوام اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ "ہندوستان" میں ہندو عوام کا راج ہوگا۔ دونوں عوام غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ جب تک موجودہ سرمایہ دارانہ سیاسیات قائم رہیں گے مجوزہ خطوں میں سرمایہ داروں کا راج ہوگا۔ پاکستان میں ہندو بنئے کی جگہ مسلمان زمیندار اور سرمایہ دار لے لینگے۔ مسلم عوام کے لئے فرق کیا پڑا!۔ اور جو نظام حقیقی معنوں میں مزدوروں کی نمائندگی کا دعویدار ہوگا اسے تقسیم اور حدود بندی کی حاجت نہیں۔ یہ حدود بندی کی تحریک محض سرمایہ داروں کے مفاد کی برقراری کے لئے ضروری ہے۔ مزدوروں کا وطن "تمام جہان" ہے۔ یہ خطہ اور وہ خطہ نہیں۔

راقم الحروف کو ایک بار مسلمانوں کی طرف سے منعقدہ ایک پبلک میٹنگ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ حاضری پچیس ہزار کے قریب تھی۔ ایک قابل پروفیسر سٹیج پر تشریف لائے اور سامعین سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "بھائیو! اقتصادی اور سیاسی طور پر پاکستان کا قیام ہندوؤں اور مسلمانوں۔ دونوں کے لئے ضرر رساں ہے۔ چونکہ پاکستان کا علاقہ اپنی تیل کے بیج۔ لوہے۔ کوئلے اور کھانڈ سے متعلقہ ضروریات کے لئے "ہندوستان" کا محتاج ہوگا ...... نیز یہ دونوں خطے حدبندی

و دیگر مسئلوں پر ہمیشہ ایک دوسرے سے آمادہ بر جنگ نظر آئیں گے
.... لہذا میں سمجھتا ہوں کہ جناح کی رہنمائی غلط ہے"

لوگ ٹک ٹک تقریر کرنے والے کے منہ کی طرف دیکھ رہے تھے انکے چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ سپیکر کی دلائل کا ان پہ رتی بھر اثر نہیں ہوا۔

اسکے بعد ایک لمبی ڈاڑھی والے۔ جبہ پوش۔ نورانی صورت بزرگ سٹیج پر تشریف لائے اور پُر زور۔ بلند آواز میں کہنے لگے۔

" فدائیان دین وشیدائیان ملت! مجھے یہ دیکھکر رنج ہوتا ہے کہ فرزندان توحید۔ اس وقت ایک ایسے لیڈر کی رہنمائی قبول کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں جسے اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ جو روزے اور نماز کا پابند نہیں۔ جو اسلامی اصولوں سے قطعی ناواقف ہے۔ جو متعدد بار سجدہ گاہوں میں بوٹوں سمیت چلا گیا۔ جو ڈاڑھی مونچھ نہیں رکھتا جسکی لڑکیاں بے پردہ مردوں سے بات چیت کرتی ہیں اور جسنے خود سول میرج ایکٹ کے ماتحت ایک عیسائی عورت سے شادی کرتے وقت اعلان کیا کہ" میں لا مذہب ہوں"۔۔۔ ایسے شخص کی رہنمائی ۔۔۔ بشرم ۔۔۔ شرم اے فرزندانِ توحید"

راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ہزاروں سامعین کی نگاہوں میں جناح اور مسلم لیگ کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ بہتوں نے خود بخود بے ساختہ طنزیہ انداز میں کہا" چھی چھی۔ واہ قائد اعظم صاحب!

پھر ایک اور سفید ریش بزرگ سٹیج پہ آئے اور کہنے لگے (یہ کوئی مسلم لیگی تھے)
"فرزندانِ توحید! مژدہ۔ اللہ تعالٰے کے حضور میں شکریہ سے سربسجدہ
ہو جانے کا مقام ہے کہ اُسنے اپنی رحمت سے ہمیں قائد اعظم جیسا صحیح الذہن
رہنما دیا۔ جو ہمیں پاکستان کا تحفہ دیگا۔ پاکستان۔ کفرستان سے علیحدہ
روئے زمین کا وہ خطہ ہوگا جہاں حکومتِ الٰہیہ کا قیام ہوگا۔ مغربزدہ
ججوں کی بجائے قاضی منصف ہونگے۔ شرع قانون ہوگی۔ روزہ۔ نماز
زکوٰۃ کا احترام ہوگا۔"

چند منٹ پہلے جن لوگوں نے کہا تھا "چھی! چھی!! واہ قائد اعظم صاحب"
وہی لوگ زور زور سے چلانے لگے "قائد اعظم زندہ باد۔ پاکستان زندہ باد"
یہ ہے ہندوستانی عوام کی ذہنیت کا پس منظر۔ اُنکی اپنی کوئی مرضی نہیں۔ کوئی
مخصوص نقطہ نظر و فلسفہ حیات ہی نہیں۔ چونکہ وہ ان پڑھ اور جاہل ہیں۔

۱۹۴۶ء میں منعقدہ مرکزی اور صوبجاتی انتخابات کے دوران میں انہی
عوام کی حالت دیکھ کر ایک انگریز مصنف نے کہا تھا۔

"میں نے دیکھا کہ جاہل رائے دہندگان سرمایہ داروں اور بڑے زمینداروں
کی لاریوں میں زندہ گوشت کے لوتھڑوں کی طرح لادے جاکر پولنگ سٹیشنوں
کی طرف لیجائے جا رہے تھے۔ ان لوگوں کی اپنی مرضی کوئی نہیں۔ انہیں
ووٹ کی اہمیت کا احساس ہی نہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں جمہوریت
کا قیام ایک مذاق معلوم ہوتا ہے۔"

پاکستان کی وضاحت

اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ ہمنے پاکستان کی تحریک سے متعلقہ اسباب اور اسکی آفرینش کے درپردہ سیاسی، مجلسی و اقتصادی حالات کا مفصل بیان دیا ہے۔ نفس مضمون کو بخوبی طور پر ذہن نشین کرنے کے لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صاف اور مفصل طور پر یہ بھی بیان کیا جائے کہ "پاکستان" بذات خود کیا ہے نیز اسکی بنیادی تشکیل و اُس سے متعلقہ دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

"انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" میں صفحہ ۱۷۴ (ایڈیشن ۱۹۳۷ء) پر "پاکستان" کی مندرجہ ذیل وضاحت لکھی ہوئی ہے۔

......" پاکستان کے معنی ہیں پاک (لوگوں۔ چیزوں) کی سرزمین۔ لفظ پاک ـــــ شفاف و متبرک۔ کا صحیح انگریزی ترجمہ مشکل ہے۔ انسانی زندگی میں جو کچھ بھی متبرک اور نیک ہے اُسے پاک کہ سکتے ہیں۔ موجودہ ہندوستان کے پانچ مسلم صوبوں کو پاکستان کے رقبہ میں شمار کیا جاتا ہے (لیکن یہ مسلم لیگ کی طرف سے باضابطہ اعلان نہیں) پنجاب۔ افغانی خطہ (شمالی مغربی سرحدی صوبہ) کشمیر۔ سندھ۔ اور بلوچستان۔ یہ نام چوہدری رحمت علی نے جو ۱۹۳۳ء میں پاکستانی قومی تحریک کے بانی تھے۔ تجویز کیا۔ اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مسلمانوں کی تاریخی۔ قومی اور سیاسی زندگی کو بقایا ہندوستان سے علیحدہ تشکیل دی جائے"

پاکستان کے متعلق اس سے زیادہ۔ کم از کم تحریری اور صاف طور پر ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ مسلم لیگ کے قائد اعظم۔ مسٹر محمد علی جناح اور اُنکے ہمخیال پاکستان کی حمایت میں آئے دن دھواں دار تقریریں کرتے ہیں۔ اسکے برعکس اکھنڈ ہندوستان کے حامی اُتنی ہی تندی سے لیگیوں کی تقاریر کا جواب دیتے ہیں مسلم لیگی کہتے ہیں کہ اگر پاکستان قائم نہ ہوا تو ملک میں خون کی ندیاں بہ جائیں گی۔ ادھر پاکستان کے مخالف۔ قوم پرست عناصر۔ حکومت کو بار بار متنبہ کرتے ہیں کہ ہم جان پر کھیل جائیں گے لیکن مجوزہ تقسیم کی اسکیم پر عمل درآمد نہ ہونے دینگے ملک کے اخبارات میں آئے دن پاکستان کے حق میں اور خلاف مضامین چھپتے ہیں اور ہزار ہا ٹن کاغذ اس ایک مسئلہ پر لکھی گئی تنقیدوں

ہیں خرچ ہو چکا ہے۔ اسکے باوجود اگر آپ علیحدہ علیحدہ دو مسلم لیگیوں سے پاکستان کی وضاحت کرنے کے لئے کہیں تو اُنکے جوابات مختلف ہونگے

مسٹر جناح اور اُنکے ہمراہیوں کی تقاریر پُر جوش اور مخلصانہ ہی سہی لیکن جہاں تک مجوزہ پاکستان کے قیام کا تعلق ہے۔ وہ اسکے متعلقہ ضروری تفاصیل پر بہت کم روشنی ڈالتی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے لیگی لیڈر دانستہ طور پر پاکسان کی وضاحت سے احتراز کرتے ہیں۔ اسمیں ایک سیاسی مصلحت پنہاں ہے۔ وہ لوگ کسی ایک مخصوص بیان پر ٹھہرنا نہیں چاہتے اور آہستہ آہستہ ہندوستان کی غیر منظم اور بے ترتیب سیاسی فضا کے دھندلکے میں اپنا پنجہ پھیلا رہے ہیں۔

مارچ ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے لاہور میں منعقدہ اجلاس کے موقع پر اتفاق رائے سے ایک قرارداد پاس کی۔ اس قرارداد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے ممبران نے گورنمنٹ پر یہ بات واضح کی کہ انہیں ۱۹۳۵ء کا آئین منظور نہیں چونکہ اس آئین کے زیر مجوزہ فیڈریشن ہندوستان کے مسلمانوں کے مفاد کے منافی ہے۔ نیز انہوں نے گورنمنٹ سے مطالبہ کیا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کی ایک آزاد اور خود مختار حکومت قائم کی جائے۔ اور مستقبل میں قائم ہونے والی مسلم و ہندو حکومتوں کے زیر اقتدار بالترتیب غیر مسلم و غیر ہندو اقلیتوں کے مذہبی، سیاسی، مجلسی اور سیاسی مفاد کی حفاظت کے لئے دونوں خطوں کے آئین میں ضروری شرائط رکھی

جائیں۔

متذکرہ بالا ریزولیوشن صاف طور پر یہ ظاہر نہیں کرتا کہ مجوزہ مسلم گروپ میں کونسے علاقہ جات شامل کئے جائیں۔ مثال کے طور پر پنجاب ایک مسلم اکثریت کا صوبہ ہے۔ لیکن اسکے کئی ایک اضلاع۔ انبالہ۔ کانگڑہ وغیرہ میں ہندو اکثریت ہے۔ کیا موخرالذکر اضلاع کو پنجاب سے علیحدہ کر کے ہندو علاقہ میں شامل کر دیا جائے؟ ہندو اکثریت کے اضلاع جو چاروں اطراف سے مسلم اکثریت کے علاقہ جات سے گھرے ہوئے ہوں پاکستان میں شامل ہونا پسند نہیں کریں گے۔ لیکن اس حالت میں ہندو علاقہ جات کے ساتھ اسکا الحاق کیسے ہو گا۔ اسی طرح ہندو اکثریت سے گھرے ہوئے مسلم اکثریت کے اضلاع اپنی حکومت کیسے برقرار رکھیں گے۔

مجوزہ پاکستان کی سکیم کے زیر قیام علاقہ جات کی تقسیم کے سلسلہ میں مختلف سکیمیں پیش کی گئی ہیں ــــ چوہدری رحمت علی کی سکیم۔ علی گڑھ کے پروفیسروں کی سکیم۔ ایک پنجابی کی سکیم۔ آنجہانی سر سکندر حیات کی سکیم (ان سکیموں کا مفصل بیان اس کتاب میں کسی دوسری جگہ ہے) وغیرہ وغیرہ لیکن ان اصحاب میں سے ہر شخص نے اپنی سکیم میں ایک دوسرے سے مختلف تقسیم کا نقشہ دیا ہے۔ ایک لیکھک ہندوستان کو پانچ خطوں میں منقسم کرتا ہے تو دوسرا پندرہ خطوں میں۔

ایک لیکھک مسلم علاقہ جات کو شمال مغربی سرحدی صوبہ۔ سندھ بنگال۔ پنجاب اور بلوچستان پر ہی مشتمل کرتا ہے تو دوسرا یو۔ پی سی پی

و مدراس کے علاقہ جات تک پاؤں پھیلانے پر مصر ہے۔ مسلم لیگ کی طرف سے تصدیق شدہ کوئی سکیم تا حال معرض وجود میں نہیں آئی۔

پاکستان میں طرز حکومت کیا ہوگا۔ اسکے متعلق مختلف قیاس آرائیاں کی جاتی ہیں۔ مسلم لیگی حلقہ میں مذہبی ملاؤں وغیرہ پر مشتمل ایک ایسی جماعت ہے جو ابھی تک یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ مجوزہ پاکستان میں خالص اسلامی شرعی۔ طرز حکومت قائم ہوگا۔ غالباً انہیں سے کچھ لوگ "خلیفہ" کے وجود کو بھی تصور کئے ہوئے ہوں۔ اس نقطہ نظر کے افراد کا یہ یقین ہے۔ کہ پاکستانی علاقہ میں پرانی طرز پر "قاضی" مقدمات کا فیصلہ کیا کریں گے۔ روزہ و نماز کا پاس جبری ہوگا۔ سب لوگ لمبی ڈاڑھی رکھیں گے۔ جبہ و دستار پہنیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسکے برعکس جدید روشنی کے نوجوانوں کی ایک جماعت ہے جو پاکستان کا روس سے الحاق اور سوویٹ روس کے طرز کی اشتراکیت کے اصولوں پر مبنی گورنمنٹ کا قیام ذہن میں لئے ہوئے ہیں۔ جبہ و دستار کے فدائیوں کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ لیگ کے چند ممبران خدا کی ہستی سے منحرف روسیوں کا "اشتراکی" نظام پاکستان میں لانا چاہتے ہیں تو وہ آج ہی لیگ سے علیحدہ ہو جائیں۔ خوش قسمتی سے لیگ میں اس ترقی پسند گروہ کے ممبران کی تعداد بحیثیت مجموعی آٹے میں نمک برابر ہے۔ لہٰذا فی الحال دیگر غالب عناصر سے انکے تضاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان دونوں کے علاوہ ایک اور عنصر بڑے بڑے۔ زمینداروں، نوابوں اور خطاب یافتہ رئیسوں پر مشتمل ہے۔ موجودہ دور میں یہ گروہ دیگر تمام

گروہوں پر غالب ہے۔ یہ لوگ جدید سیاسیات کی ترقی پسند تحریکوں سے کوسوں دور ہیں۔ اور متذکرہ بالا ملاؤں وغیرہ کی جماعت سے اُسی حد تک ہمدردی کا دم بھرتے ہیں جس حد تک وہ لوگ زمینداری نظام کی حمائت کرتے ہیں۔ زمینداروں کے اس گروہ کی امیدوں کے مطابق پاکستان میں سیاسی اور اقتصادی نظام ایسا ہوگا جو ذاتی جائداد اور زمینداری ایسے اصولوں کو برقرار رکھے۔ گویا لیگ میں اس وقت ایسے مختلف عناصر خلط ملط ہیں۔ جنکے سیاسی اور اقتصادی مفاد اور رجحان ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ جہاں ایک طرف خلافت' ایسے طرز حکومت کے مداح لیگ میں ہیں وہاں عوامی جمہوریت کے حامی بھی موجود ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ فسطائی بھی ہیں۔

مسٹر جناح ضدی ضرور ہیں لیکن جہاں تک اُنکے ذاتی سیاسی نظریہ کا تعلق ہے۔ اُنکے موجودہ رویہ سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ مجوزہ پاکستانی علاقہ میں 'مذہبی' طرز حکومت قائم کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ اسوقت مصلحت اسی میں ہے کہ وہ چپ رہیں لہذا پاکستان کے طرز حکومت کے متعلق اظہار خیال سے وہ احتراز کرتے ہیں لیکن یہ پُر اسرار خاموشی کی پالیسی دور اندیشی پر مبنی نہیں ہے۔ مجوزہ پاکستان کے طرز حکومت کی وضاحت اب ضروری ہے تاکہ مختلف زاویہ نظر کے لوگ ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ پر سوچ سکیں اور پاکستان کے حق میں یا خلاف فیصلہ دے سکیں۔

جہاں ایک طرف متعصب مسلمانوں کی ایک جماعت پاکستان کو "شرعی قانون کا نورانی خطہ" سمجھ کر اسکے حصول کے لیئے کوشاں ہیں وہاں ہندوؤں کا ایک بہت بڑا طبقہ اس کے قیام سے غیر معمولی طور پر خائف ہے، چونکہ اُنکا خیال ہے کہ مجوزہ پاکستان کے علاقہ سے اب پھر بیسویں صدی کے "محمود غزنوی" ہندو علاقہ جات پر حملہ آور ہوا کریں گے۔ شمالی مسلم ممالک ایک متفقہ بلاک بنا کر "ہندوستان" کو مغلوب کر لیں گے۔ ہندوستان کی تاریخ ایک بار پھر اپنے آپکو دہرائیگی۔ جزیہ و تاوان دینا ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیگی رہنماؤں کی موجودہ پالیسی نے جہاں دقیانوسی مسلمان طبقہ کی نامناسب امیدوں کو بے جا طور پر ابھارا ہے وہاں ہندوؤں کے خدشات کو بھی تقویت دی ہے۔

تیسرا سوال یہ پوچھا جاتا ہے کہ مجوزہ پاکستانی علاقہ میں غیر مسلم اقلیتوں کی پوزیشن کیا ہوگی۔ لیگ کے قاعد اعظم مسٹر جناح نے متعدد بار یہ کہا ہے کہ وہ اقلیتوں کی حفاظت کا ذمہ لیتے۔ لیکن واقعات کی روشنی میں انکا یہ دعوے صداقت سے بعید معلوم ہوتا ہے۔

پاکستان کی تحریک کے موجدوں میں سے ایک۔ چوہدری رحمت علی نے صاف طور پر اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے۔ کہ پاکستان کا قیام بذات خود ہمارا نصب العین نہیں ہے بلکہ تمام مسلم ممالک کو یک مشترکہ سیاسی رشتہ ــ پان اسلام ازم ــ میں منسلک کرنے کے

لئے پہلا ضروری قدم ہے۔

ایک اور لیگی ترجمان مسٹر الیف۔ کے۔ خان درانی نے اپنی کتاب "پاکستان کے معنی" میں صریحاً یہ لکھا ہے کہ "تمام ہندوستان ہمارا ورثہ ہے۔ لہذا ہمیں اسلام کے نام پر تمام ہندوستان کو فتح کرنا ہوگا"

ایک اور لیگی ترجمان نے یہ صاف طور پر واضح کیا ہے کہ ہندوستان سے علیحدگی بذات خود (لیگی) مسلمانوں کا نصب العین نہیں بلکہ یہ ایک دوسرے بڑے نصب العین کے حصول کا ذریعہ ہے اور یہ دوسرا نصب العین ہے۔ خالص اسلامی حکومت کا قیام۔ ان حالات کی روشنی میں مسٹر جناح کے غیر مسلم اقلیتوں کی حفاظت کے وعدے اور انکے ہمراہی لیگیوں کے تمام ہندوستان پر اسلامی پرچم لہرانے کے ولولے ایک دوسرے کے متضاد معلوم ہوتے ہیں۔ تمام ہندوستان نہ سہی اگر محض پاکستان میں بھی "خالص اسلامی" اور "شرعی" حکومت کا قیام مدنظر ہے۔ تو یہ صاف طور پر عیاں ہے کہ آبادی کے غیر مسلم عنصر کو اس مجوزہ حکومت کے نظم و نسق میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوگی اور انکے لیے پاکستان ایسا ہی ہوگا جیسے افغانستان۔ یا عرب۔

اسکے علاوہ لیگی رہنماؤں نے فی الحال اس نقطہ کی وضاحت سے بھی دانستہ احتراز کیا ہے کہ مجوزہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان تعلقات کس قسم کے ہونگے۔ اگر (جیسا کہ چند لیگی ترجمانوں نے اپنے مضامین میں ظاہر کیا ہے) پاکستان کا قیام ایک اور بڑے نصب العین

پان اسلام ازم یعنی تمام مسلم ممالک کی ایک متحدہ فیڈریشن کے حصول کا ذریعہ ہے۔ تو اس بڑے اسلامی نظام کے ......
ہندوستان سے تعلقات کس نوعیت کے ہو سکتے ہیں۔ اسکا محض قیاس ہی ہو سکتا ہے۔ جو مختلف افراد کے لئے مختلف ہوگا لیگی رہنما اس نقطہ کی تسلی بخش وضاحت سے تا حال احتراز کئے ہوئے ہیں۔

لیگی بار بار اسبات کا اعادہ کرتے ہیں کہ پاکستان کے مطالبہ کے پس منظر میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی بہتری ملحوظ ہے۔ اسوقت ودلیشی حکومت کے زیر قبضہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی اقتصادی ترقی مسدود ہے۔ جہاں تک ودلیشی حکومت سے نجات حاصل کر کے آزاد گورنمنٹ کے قیام کا تعلق ہے۔ مجوزہ پاکستان کے قیام سے اقتصادی ترقی کا حصول جائز ہے۔ لیکن اس سے مزید غیر مسلم اقلیتوں کے مقابلہ میں مسلم اقتصادی مفاد کی ترقی بھی ملحوظ ہے کیا یہ ترقی غیر مسلم اقلیتوں پر مصنوعی پابندیاں لگا کر عمل میں لائی جائیگی۔ اگر ایسا ہے تو کیا اس سے اقلیتوں کے جملہ مفاد کی حق تلفی نہیں ہوگی۔ نیز انکے مفاد کی حفاظت کیسے ہوئی۔ اگر اسلامی حکومت کے زیر غیر مسلم اقلیتوں کو مساوی اقتصادی آزادی دینا ملحوظ ہے۔ تو کم از کم اقتصادی پہلو سے تقسیم کی ضرورت ہی نہیں، وغیرہ وغیرہ یہ ضروری ہے کہ لیگ کے ترجمان مندرجہ بالا نقاط کی بخوبی وضاحت

کریں تاکہ پاکستان کے حامیوں اور مخالفوں کو اسکے متعلق صاف طور پر کچھ رائے قائم کرنے کا موقعہ ملے۔ ان نقاط کی وضاحت کی عدم موجودگی میں اسوقت پاکستان کا مسئلہ محض ایک جذباتی تحریک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ان پڑھ مسلم عوام کے ایک بڑے حصے کا خیال ہے۔ کہ پاکستان کا قیام ان پر خدائی برکتوں اور نعمتوں کے دروازے کھول دیگا اور آن واحد میں وہ اپنے آپکو ایک بہشتی خطے میں پائیں گے۔ ہندوؤں کو اسکے برعکس خدشہ ہے کہ یہ ایک ایسا "فتنہ انگیز" علاقہ ہوگا جہاں سے تبلیغ کے علمبردار اسلامی مجاہد کفرستان پر حملہ آور ہونگے۔

ہند ریاسٹ کی اسکیمیں

ہندوستان کی موجودہ سیاسی الجھن کو سلجھانے کے لئے مختلف داناؤں نے مختلف نسخے تجویز کئے ہیں۔ نوعیت کے لحاظ سے ان داناؤں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول وہ لوگ جو مختلف خطوں کی انفرادی کمل خود مختیاری کے اصول کو بنیادی طور پر تسلیم کرتے ہوئے یعنی تقسیم کی بنا پر کوئی اسکیم پیش کرتے ہیں۔ اور دوئم وہ لوگ جو تقسیم کو ملک کے لئے ضرر رساں خیال کرتے ہوئے۔ قومی اور فرقہ دارانہ ضروریات کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ہندو مسلم مسئلہ کے علاج کی کوئی ممکن صورت تجویز کرتے ہیں۔ اول الذکر زمرہ میں چودھری رحمت علی۔ علی گڑھ کے کچھ علماء۔ ڈاکٹر۔ ایس۔ اے

لطیف ایسے لوگ شامل ہیں۔ اور موخرالذکر میں سر سٹیفورڈ کرپس سر سلطان احمد۔ سردار شیر دلال۔ ڈاکٹر رادھا کماد مکر جی ایسی ہستیاں ہیں۔

تقسیم کی اسکیمیں

'ایک پنجابی' نے اپنی کتاب موسومہ کنفیڈریسی آف انڈیا' میں یہ تجویز پیش کی ہے کہ ہندوستان کے 'براعظم' کو چند 'ممالک' میں منقسم کردیا جائے۔ تقسیم مندرجہ ذیل طریق پر ہو۔ تقسیم کا ہر خطہ بذات خود ایک فیڈریشن ہوگا اور پانچ فیڈریشنوں پر مشتمل ایک بڑی اماں فیڈریشن' ہوگی جسے وہ کنفیڈریشن کا نام دیتے ہیں۔ متذکرہ بالا ۵ فیڈریشنیں یہ ہونگی۔

۱- علاقہ سندھ کی فیڈریشن - اس میں سندھ۔ پنجاب۔ شمالی مغربی سرحدی صوبہ۔ بلوچستان۔ بہاولپور۔ امب دیر۔ سوات۔ چترال۔ خیرپور قلات۔ لاس بیلا۔ کپورتھلہ۔ اور مالیر کوٹلہ کی ریاستیں شامل ہونگی (پنجاب کے دائرہ سے ہندو اکثریت کے اضلاع۔ انبالہ۔ کانگڑہ۔ انا۔ ہوشیارپور کی گڑھ شنکر تحصیل۔ وغیرہ نکال دئے جائیں گے اجو ہندوستان' سے ملحق ہونگے) اس حصے کا نام 'سندھستان' ہوگا۔ (مسلم آبادی ۶۲ فی صدی)

۲- ہندو فیڈریشن - میں یوپی۔ سی پی۔ بہار۔ بنگال کے کچھ اضلاع۔ اڑیسہ۔ آسام۔ مدراس۔ بمبئی۔ اور راجپوتانہ و دکن کی ریاستوں کے سوا دیگر ہندو ریاستیں۔ شامل ہونگی۔ (مسلم آبادی ۱۱ فیصدی)

۳- راجستھان فیڈریشن - میں راجپوتانہ اور وسط ہندوستان کی ریاستیں ہونگی - (مسلم آبادی ۸ فیصدی)

۴- ریاستہائے دکن کی فیڈریشن - دکن کی ریاستوں پر مشتمل ہوگی جسمیں حیدر آباد - میسور - اور باستار کی ریاستیں شامل ہوں گی - (مسلم آبادی ۹ فیصدی)

۵- بنگال فیڈریشن - مشرقی بنگال - گول پارہ - اور آسام کا سلہٹ ضلع - و تریپورہ و ایسی دیگر راستوں پر مشتمل ہو گی جو ہندو علاقہ سے الگ تھلگ واقع ہیں (مسلم آبادی ۶۶ فیصدی) ان پانچ خطوں میں سے دو مسلم اکثریت کے خطے ہوگے اور تین ہندو اکثریت کے - ہر فیڈریشن کا ایک گورنر جنرل ہو گا - اور ہر فیڈریشن کے اندرونی چھوٹے علاقوں کا علیحدہ علیحدہ گورنر ہوگا - مرکزی کنفیڈریشن کا صدر والسرائے ہوگا جسکی مرکزی حکومت سے متعلقہ معاملات کے نظم و نسق کی ذمہ داری ہوگی - وائسرائے کی مدد کے لئے ایک مرکزی اسمبلی یا پارلیمنٹ ہو گی - جس کے نمائندے فیڈریشنوں سے منتخب کئے جائینگے - معاملات متعلقہ فوج - ملکی حفاظت معاملات خارجہ پالیسی وغیرہ کے لئے مختلف فیڈریشنوں کے گورنر جنرل - مرکزی والسرائے کو جواب دہ ہونگے - مرکزی حکومت کی آمدن کا ذریعہ یا تو چند مرکزی ٹیکس ہونگے - یا مختلف فیڈریشنیں مناسب طے شدہ شرائط کے مطابق سالانہ روپیہ ادا کریں گی - اس رقم سے امور متعلقہ مرکزی حکومت کا نظم و نسق چلے گا -

اس اسکیم کے زیر عمل مسلم لیگیوں کا یہ مطالبہ کہ ہندوستان کے مستقبل کے آئینی ڈھانچہ میں مسلم اکثریت کے علاقے اپنی علیحدہ حکومت بنائیں بھی پورا ہوتا ہے اور مسلم انڈیا کا ہندو انڈیا سے رابطہ اتحاد بھی برقرار رہ سکتا ہے۔ لیکن مسٹر جناح کے موجودہ رویہ اور اُنکے جدید مطالبات کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسکیم انہیں غالباً قابل قبول نہ ہو گی۔ وہ ہندو انڈیا۔ اور مسلم انڈیا کے درمیان مکمل علیحدگی اور نا تعلقی پر بضد ہیں۔

یہ سکیم صرف انتہا پسند لیگیوں کو ہی قابل قبول نہیں ہو گی بلکہ ہندو بھی اسے منظور نہیں کریں گے یہ اسکیم بنیادی طور پر سیاسی ضمانت کے اصول پر مبنی ہے۔ یعنی "ہندوستان" کی مسلم اقلیت پاکستان کی ہندو اقلیت کی حفاظت کے لئے بطور گارنٹی یا ضمانت کے تصور کی جائیگی۔ اسی طرح پاکستان کی ہندو اقلیت ہندوستان کی مسلم اقلیت کی حفاظت کے طور پر ضمانت سمجھی جائیگی۔ لہٰذا دونوں علاقوں کی اکثریتوں کو اقلیتوں کے حقوق پر چھاپہ مارنے کی جرأت نہیں ہو گی۔

نیز اگر مسلم اکثریت کی ہندو ریاستیں (مثلاً کشمیر) پاکستان میں ہونگی تو ہندو حکمران مسلم اکثریت کے حقوق میں دست اندازی نہیں کر سکینگے اسی طرح ہندوستان میں واقع ہندو اکثریت کی مسلم ریاستوں کو ہندو اکثریت کے حقوق چھیننے کی جرأت نہیں ہو گی۔

یہ اصول بظاہر مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن عملی طور پر مختلف علاقوں

کے درمیان خطرناک سیاسی کشمکش کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

علیگڑھ یونیورسٹی کے پروفیسروں۔ سید ظفر الحسن و محمد افضل حسین قادری۔ کی سکیم یہ ہے کہ موجودہ ہندوستان کو مندرجہ ذیل قطعی خود مختار دائروں میں منقسم کر دیا جائے۔

۱۔ پاکستان۔ (جسمیں پنجاب۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ، بلوچستان جموں و کشمیر۔ منڈی چمبہ۔ کپور تھلہ۔ ملیر کوٹلہ۔ چترال۔ دیر۔ قلات بہاول پور۔ لوہارو۔ شملہ کی پہاڑی ریاستیں وغیرہ شامل ہوں گی) (مسلم آبادی ۳۰ء ۶۰ فی صدی)

۲۔ بنگال۔ (ہوڑہ اور مدناپور اضلاع کے بغیر) بہار کا پورنیا ضلع آسام کا سلہٹ ضلع (مسلم آبادی ۵۷ فی صدی)

۳۔ ہندوستان۔ سوائے حیدر آباد۔ پاکستان۔ بنگال۔ و متذکرہ ذیل مالابار کے ہندوستان کا تمام علاقہ (مسلم آبادی ۷۔ ۹ فیصدی)

۴۔ حیدر آباد۔ اسمیں حیدر آباد۔ برار اور کرناٹک کا علاقہ شامل ہوگا۔ (مسلم آبادی ۱۲ فیصدی)۔

۵۔ صوبہ دہلی۔ نئی دہلی۔ میرٹھ۔ روہیل کھنڈ۔ اور علی گڑھ کے علاقے مسلم آبادی ۲۰.۲ فیصدی)

۶۔ مالابار۔ (مالابار کا علاقہ و ملحقہ ریاستیں (مسلم آبادی ۲۷ فیصدی)

مندرجہ بالا تقسیم کے ساتھ یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ہندوستان کے تمام ایسے شہر جنکی آبادی ۵۰ ہزار نفوس سے زیادہ ہے، آزاد شہر شمار کئے جائیں۔

جنہیں اپنے نظم و نسق کی کافی آزادی ہو۔

متذکرہ بالا تین بڑی حکومتیں۔ پاکستان۔ ہندوستان اور بنگال۔ اپنے مابین مندرجہ ذیل شرائط پر ملکی حفاظت و دیگر سیاسی و فوجی امور سے متعلقہ معاملات پر عہد نامہ کریں۔ (یہ خیال رہے کہ یہ عہد نامہ انکے درمیان آزاد و مختار طاقتوں کے طور پر ہوگا۔ اور یہ تینوں یا ان میں سے کوئی طاقت جب چاہے عہد نامہ کو منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ لہذا مرکزی و ابستگی مفقود سمجھئے!)

عہد نامہ باہمی سمجھوتہ کی شکل میں ہوگا۔ پاکستان مسلمانوں کا اور ہندوستان ہندوؤں کا وطن متصور ہوگا۔ جہاں وہ جب چاہیں نقل مکانی کر سکتے ہیں۔ تینوں خطوں میں اقلیتوں کو انکی آبادی کے لحاظ سے نمائندگی دی جائیگی۔ اور انکے مذہبی تعلیمی و دیگر سیاسی حقوق کی حفاظت کی گارنٹی کی جائے گی۔ اقلیتوں کے لئے طریق انتخاب جداگانہ ہوگا۔

پاکستان۔ ہندوستان اور بنگال۔ تینوں حکومتیں علیحدہ علیحدہ خود مختارانہ طور پر برطانوی حکومت سے سیاسی عہد نامے کریں گے۔ اور اگر عہد نامہ کے مطابق ان علاقوں میں برطانوی تاج کے نمائندے کا تقرر برقرار رہا تو ہر علاقے کا علیحدہ نمائندہ ہوگا۔ مشترکہ نہیں۔ یہ اسلئے تاکہ تینوں علاقوں کی علیحدہ علیحدہ خود مختارانہ حکومتوں کے وجود میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

اس اسکیم کے خالق اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ انکی مجوزہ اسکیم کے زیر عمل ہندوستان و مسلم انڈیا میں باہم دوستانہ تعلقات برقرار رہینگے۔

لیکن مرکزی کنٹرول کوئی نہیں ہوگا اور انکے مابین تعلقات محض خود مختار ہمسایہ طاقتوں کے تعلقات ہونگے۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب اپنی جدید کتاب موسومہ انڈیا ڈیوائیڈڈ (منقسم ہندوستان) میں اس اسکیم پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ یہ اسکیم موجودہ متحدہ ہندوستان کی بجائے ان گنت چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں پیدا کرکے ہندوستان کی تقسیم کو مکمل تر بنانے پر کوشاں ہے۔ چونکہ اسکیم کے خالق ہندوؤں اور مسلمانوں کو بالترتیب زیکوسلاو کیا وسوڈیٹان جرمنی کے باشندوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ لہذا آزاد شہروں کو جرمنی کے تاریخی شہر ڈانزگ سے مشابہ کیا جاسکتا ہے۔ اب محض یہ دیکھنا باقی ہوگا کہ جو کچھ جرمنی میں ہوا وہی ہندوستان میں بھی ہوگا یا نہیں۔ چونکہ یہ عین انقلاب ہے پاکستان میں بھی کوئی اسلامی ہٹلر پیدا ہو جائے جو ہندوؤں کے ظلم سے ہندوستان میں مقیم مسلم اقلیت کو بچانے کے لئے آزاد شہروں کو آزاد کرانے کا دعوے کرے اور ملک میں کشت و خون کا بازار گرم ہو۔

مجوزہ سکیم کے مطابق ہندو اکثریت کے علاقے مسلمانوں کا وطن نہیں ہونگے۔ بلکہ ہندوستان کی مسلم اقلیت کا وطن ان کی جائے رہائش سے دور — پاکستان ہوگا۔ اور ان کی قومی مسلم جماعت کا مرکز بھی وہی ہوگا چونکہ یہ مسلم اقلیت ہندو علاقوں کو اپنا وطن ہی خیال نہیں کریں گے۔ لہذا مسلم حملہ کی صورت میں وہ بخوشی ففتھ کالم کے فرائض سرانجام دینگے!

ٹھیک یہی کچھ سپین اور جرمنی میں ہوا۔

رحمت علی کی اسکیم۔ اس سکیم کا موجد ہی پاکستان کی موجودہ قومی تحریک کا بانی ہے۔ اس اسکیم کے موجد کچھ اسقدر انتہا پسند واقع ہوئے ہیں۔ کہ وہ مسلم لیگ کو اسکی رجعت پسندانہ روش پر کوستے ہیں۔ مثلاً انہیں محض اسبات پر ہی اعتراض ہے کہ مسلم لیگ جو اس بات کا دعوٰے کرتی ہے کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور عام بول چال کے مطابق "انڈین" نہیں ہیں تو وہ اپنا نام "آل انڈیا مسلم لیگ" کیوں رکھے ہوئے ہے۔ (مسلمان چونکہ ہندوستانی نہیں ہیں۔ لہٰذا انہیں انڈیا نام۔ یا انڈیا نام کے ملک سے کیا تعلق!) رحمت علی صاحب بار بار اسلامی بھائیوں کو اسبات پر ابھارتے ہیں کہ چونکہ ہماری قومیت "ہندوستانی" نہیں لہٰذا ہمیں جلد از جلد ہندوستان سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔ یہ صاحب اپنی اسکیم میں تین بڑے خطوں کا ذکر کرتے ہیں۔

پاکستان۔ بنگال کا خطہ (بنگستان) اور عصمانستان۔ یہ آسام کو وہ بنگ اسلام کا نام دیکر بنگال سے وابستہ کرتے ہیں۔ اعلٰے حضرت اس اسکیم کے موجد کچھ اس قدر مجاہد ملت واقع ہوئے ہیں کہ وہ اپنی اسکیم میں تمام تر توجہ محض اسلامی خطوں۔ اُنکے قیام و نظم و نسق پر مبذول کئے ہوئے ہیں (اور ہندو دل کا خدا حافظ! انہیں اُن سے کچھ تعلق نہیں۔ ذکر کرتے ہیں تو اس وقت جبکہ وہ فدائیان ملت کو کفرستان کو فتح کر کے پاکستان میں شمولیت کی ترغیب دیتے ہیں۔) وہ اسبات پر زور دیتے

ہیں کہ تمام ہندوستان میں جہاں بھی مسلمان آباد ہیں۔ خواہ کتنے ہی تنگ علاقے وکم تعداد اقلیت میں کیوں نہ ہوں۔ اُنکے لئے ضروری ہے کہ ہر جگہ اپنی خود مختار حکومت قائم کریں۔

لہٰذا پاکستان سے باہر صدیقستان۔ فاروقستان۔ مومنستان۔ موپلا استان۔ صوفی استان۔ نصاری استان وغیرہ وغیرہ کا وجود بھی اُنکے ذہن میں ہے۔ یہ سب علاقے جو ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہونگے "وقت آنے پر" لاہور سور پھوڑے بن کر پھیلیں گے اور ارد گرد کے کفرستانی علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لیکر ایک عظیم اسلامی سلطنت کے ظہور کا موجب ہونگے۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر۔ ایس۔ اے۔ لطیف صاحب کی سکیم ہے اس سکیم کے موجد یہ دعوے کرتے ہیں۔ کہ اُنکا نقطہ نظر صلح پسندانہ "قومی" اور مختلف جماعتوں کے مابین اتحاد کی خواہش پر مبنی ہے۔ انکا یہ خیال ہے۔ کہ ہندوستان کو پندرہ "کلچرل" دائروں میں منقسم کر دیا جائے جنمیں سے چار مسلم اکثریت کے ہوں اور گیارہ ہندو اکثریت کے۔ ہر خطے کی اپنی علیحدہ۔ خود مختار حکومت ہو۔ انہیں حکومتی نظم و نسق کی مکمل آزادی ہو لیکن یہ سب خطے مل کر ایک مرکزی فیڈریشن بنائیں۔

متذکرہ بالا کلچرل خطے یہ ہونگے۔

مسلم اکثریت کے خطے۔

ا۔ شمال مغربی بلاک۔ (مشتمل بر سندھ۔ بلوچستان۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ

خیرپور اور بہاولپور وغیرہ کی ریاستیں)

۲- شمال مشرقی بلاک۔ جسمیں مشرقی بنگال شامل ہوگا۔ (اسمیں کلکتہ اور آسام بھی شامل ہونگے!)

۳- دہلی۔ لکھنؤ۔ بلاک۔ اسمیں یوپی اور بہار کے کچھ علاقے۔ اور رامپور۔ آگرہ۔ دہلی۔ کانپور اور لکھنؤ۔ شامل ہونگے۔

۴- دکن بلاک۔ حیدرآباد۔ برار۔ سی۔ پی کے کچھ علاقے۔ اور بمبئی و مدراس پریذیڈنسی کے رقبے۔ ومیسور۔ کوچین اور ٹراونکور وغیرہ اس بلاک میں شامل ہونگے۔ تاکہ مسلم اکثریت کے علاقوں کو سمندری راہ ملے۔

۵- مندرجہ بالا علاقہ جات کے علاوہ راجپوتانہ۔ گجرات۔ مالوہ اور مغربی ہندوستان کی ریاستوں کے مسلمان آبادی کے باہمی تبادلہ سے بھوپال۔ ٹانک ایسی مسلمان ریاستوں میں سکونت پذیر ہونگے۔

ہندو اکثریت کے علاقوں میں بنگال کا وہ حصہ جو بہار کے قریب تر ہے اڑیسہ۔ مغربی بہار اور یوپی بمعہ مرکزی ہندوستان کی چند ریاستوں کے راجپوتانہ کی ریاستیں۔ گجرات۔ کاٹھیاواڑ۔ مرہٹہ علاقے۔ علاقہ مدراس (سوائے ان علاقوں کے جو مسلم حکومت بطور سمندری راہ کے استعمال کریگی) کانگڑہ۔ پنجاب کی ریاستیں، اور کشمیر کے ہندو آبادی کے کچھ علاقے شامل ہونگے۔

ملک کا ایک فیڈرل آئین ہوگا (جسکی تفاصیل فاضل موجد نے اپنی کتاب موسومہ "ہندوستان میں مسلمانوں کا مسئلہ" میں دی ہیں) جس کے زیر عمل ہر ممبر علاقہ کو زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائیگی۔ اور مرکزی حکومت

صرف انہی امور کا انتظام کرے گی جنہیں مرکز کو سونپنا انتہائی ضروری ہو۔ مثلاً ملکی سرحدوں کی حفاظت۔ امور خارجہ۔ تجارتی معاملات۔ ذرائع رسل و رسائل۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور متنازعہ سیاسی معاملات میں فیصلہ کے آخری و کلی اختیارات مجوزہ "صوبوں" کے ہاتھ میں ہونگے۔ اقلیتوں کو مجلسی اور مذہبی آزادی ہوگی۔

مسلمانوں کے سیاسی۔ اقتصادی جملہ حقوق کی حفاظت کے لئے ضروری ہے۔ کہ موجودہ فرقہ دارانہ بنا پر انتخابات کا سسٹم جاری رہے۔ اور اسکے ساتھ ہی اسمبلیوں میں مسلمانوں کی نشستیں مقرر ہوں۔ ہندوستان کی ریاستیں مرکزی اسمبلی میں ممبران کی تعداد کا کم از کم ۱/۳ حصہ مسلمان ممبران بھیجیں۔

مذہبی امور و دیگر ذاتی معاملات پر قانون بنانے وقت صرف لیجسلیچر کے مسلم ممبران ہی رائے دیں۔

ایگزیکٹو کونسل۔ مرکزی اسمبلی کے سامنے جوابدہ نہ ہو اور مرکزی اسمبلی اسے برخاست نہ کر سکے۔ (امریکہ کی طرز کی ایگزیکٹو کونسل ہندوستان میں ہو) وزیر اعظم کو تمام اسمبلی مشترکہ طور پر منتخب کرے (اس لحاظ سے امریکہ کی پیروی ضروری نہیں) جو اپنی کونسل کو اسمبلی کے ممبران سے منتخب کرے اور انتخاب کے وقت مختلف سیاسی پارٹیوں کی نمائندگی ملحوظ ہو۔ ہندو مسلم نمائندگی مساوی مساوی ہو۔

جن معاملات میں مسلمانوں کا ذاتی قانون عائد ہو سکے۔ اُنکے فیصلہ جات

مسلم جج (قاضی) کریں۔

بابو راجندر پرشاد اپنی تنقید میں لکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا اسکیم میں دو بھاری نقائص ہیں۔ اوّل یہ ہے اس سکیم میں مجوزہ علاقہ جات کی تقسیم کے لیئے یہ ضروری ہے کہ آبادی کا تناسب قائم کرنے کے لیئے مختلف علاقوں سے ہندو و مسلمان دیگر علاقوں میں نقل مکانی کر جائیں۔ جہاں تک محض دلیل کا تعلق ہے شائد نقل مکانی بھی کسی حد تک ہندو مسلم تقضیہ کا ایک ہند وقرار دی جاسکے لیکن عملی طور پر کروڑہا انسانوں کے لیئے ایک علاقہ سے گھر بار چھوڑ کر دوسرے علاقہ میں جانا۔ صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

دوئم یہ کہ ہندوستانی ریاستوں کے معاملہ میں یہ اسکیم رجعت پسندانہ ہے۔ چونکہ اس اسکیم کے مطابق انکی آئینی پوزیشن جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ جو فرسودہ اور پرانے اصول سیاست پر قائم ہے۔

متذکرہ بالا اسکیموں کے علاوہ آنجہانی سر سکندر حیات کی اسکیم ہے اور اسکے علاوہ سر عبداللہ ہارون کمیٹی کی رپورٹ میں مجوزہ سکیم ہے موخرالذکر سکیم آل انڈیا مسلم لیگ کی تعلقات خارجہ سے متعلقہ سب کمیٹی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

ہر اسکیم کی انفرادی تفاصیل کا بیان غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مختصراً یہ کہنا کافی ہے کہ مسلم لیگی۔ یا دوسرے معنوں میں پاکستانی نقطہ نظر کے ہر مرحلہ کی سکیم اس بنیادی اصول پر مبنی ہے کہ ہندو اور مسلم ہندوستان کی

دو ہم وطن جماعتیں نہیں بلکہ دو قومیں ہیں۔ جنکا طرز بود و باش۔ مذہب فلسفہ ہر چیز ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اُنکے مفاد نہ صرف جداگانہ بلکہ بعض حالتوں میں ایک دوسرے کے متضاد ہیں لہذا یہ ضروری ہے کہ وہ علیحدہ علیحدہ منقسم خطوں میں خود مختارانہ حکومتیں بنائیں جو کسی طرح ایک دوسرے کی مرہون منت نہ ہوں۔ دوئم پاکستانی نقطہ نظر کا ہر شخص اسبات کا پہلے سے ہی قائل ہے کہ صرف ملک کے حصّے بخرے کئے جانے سے ہی دونوں قوموں۔ ہندو اور مسلمانوں کے مجلسی۔ سیاسی اور اقتصادی مفاد کی حفاظت ہو سکتی ہے۔

لہذا اگر کوئی شخص انکی یہ دونوں بنیادی خود ساختہ سچائیوں کو ہی شبہ کی نظر سے دیکھے اُسکے لئے مختلف پاکستانی اسکیموں کی تفاصیل کا مطالعہ بے فائدہ ہے۔

ہر اسکیم میں اسلامی و غیر اسلامی خطوں کی بانٹ پر زور دیا گیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بعض مصنف کچھ ایسے انتہا پسند واقع ہوئے ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ علاقہ اسلامی خطے میں لانے کے درپے ہیں اور بضد ہیں کہ ہندو علاقوں میں مسلمانوں کی چھوٹی سے چھوٹی اقلیت بھی خود مختار ہو اور آخر میں تمام ہندوستان پر اسلامی راج ہو۔ جیسا کہ عہد مغلیہ میں تھا۔ چونکہ اس قسم کے "انتہا پسند" لوگ ہندوستان کی سرزمین کو مغلوں کی جائداد سمجھتے ہیں جو اب انگریزوں کے قبضہ میں ہے اور اہل فرنگ کی واپسی کے بعد پھر مغلوں کے جانشین موجودہ ہندوستانی

مسلمانوں کے پاس واپس آجانی چاہیئے)۔ کچھ ایک موجارہ سمندری راستوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور دیگر خود ساختہ منطق سے زیادہ سے زیادہ علاقہ گھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلم لیگ کی موجودہ زومعنی پالیسی اس قسم کی ذہنیت کی آئینہ دار ہے۔

انتہا پسند مسلم لیگی یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہندو اکثریت کی مسلم ریاستیں پاکستان میں شامل ہوں۔ چونکہ اُنکے حکمران مسلمان ہیں۔ اور ریاست کی سرزمین انکی ملکیت ہے۔ اور مسلم اکثریت کی ہندو ریاستیں بھی پاکستان میں شامل ہوں۔ چونکہ وہاں مسلم آبادی کا تناسب زیادہ ہے اور جمہوریت و انصاف یہ کہتے ہیں کہ انہیں اسلامی خطہ میں آنیکا حق دیا جائے!

لیگی زاویہ نظر کا ہر شخص اسبات پر بضد ہوگا کہ دو یا اس سے زیادہ علیحدہ اور خود مختار گورنمنٹیں قائم ہوں۔ لیکن اگر بہ فرض محال اس زمرہ کا کوئی شخص مرکزی حکومت کے قیام کو برداشت کر بھی لے۔ (اسے فیڈریشن کہئے یا کنفیڈریشن) تو وہ اسبات پر اصرار کرے گا کہ ہر صوبہ یا ریاست کو جملہ سیاسی و اقتصادی امور میں مکمل آزادی ہو اور علیحدگی کا حق میسر ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

مندرجہ ذیل سطور میں ہم اُن دلائل کا بہ نظر غور جائزہ لینگے جو وقتاً فوقتاً پاکستان کے حمائتی۔ پاکستان کے قیام کے حق میں دیتے رہے ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا سیاسیات و آئین سازی کے ایک ماہر ــ پروفیسر ریجینلڈ کوپ لینڈ، ولائت سے ہندوستان تشریف لائے۔ آپ نے ہندوستان کے مجلسی و سیاسی مسائل کا پرغور و مفصل مطالعہ کیا اور ایک ضخیم رپورٹ تیار کی۔ اپنے مفصل بیان میں جہاں وہ پاکستان کے تاریک پہلو بیان کرتے ہیں۔ وہاں پاکستان کے حق میں بھی مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں۔

اگر مذہب کی بنا پر ہندوستان کی تقسیم کے عقیدے کو مان لیا جائے تو اس سے مسلمانوں کے دل سے ہندو راج کے قیام کا ہوا نکل جائے گا

اور حال ہی میں اس ڈر کی وجہ سے دونوں جماعتوں کے درمیان جو کشیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ پاکستان کے قیام سے وہ کشیدگی دُور ہو جائیگی۔ پاکستانی دائرہ کے مسلمانوں میں آزادی اور خودداری کا احساس بڑھے گا۔ وہ بجائے ہندو راج میں بسنے والی ایک اقلیت کے۔ اپنے آپکو ایک قوی خود مختار قوم شمار کریں گے۔

دوئم یہ کہ پاکستان کا اصول ہمیشہ کے لئے اقلیتوں کے مسئلہ کو حل کر دیگا۔ اور مسلم اقلیت کے حقوق کی حفاظت یقینی ہو جائیگی۔ پاکستان میں غیر مسلم اقلیت میں ہونگے اور مسلم اکثریت میں۔ اسی طرح ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں ہونگے اور ہندو اکثریت میں۔ پاکستان کے مسلمان پاکستان کی ہندو اقلیت حقوق پر چھاپہ مارنے سے پہلے ہندوستان کی مسلم اقلیت کی پوزیشن پر غور کریں گے اور سیاسی مصلحت کے طور پر پاکستان کی ہندو اقلیت کے حقوق کا پاس رکھیں گے۔ اسی طرح سے ہندوستان کے ہندو مصلحتاً غیر مسلم اقلیت کے حقوق کا احترام کریں گے۔ اگر مسلمان ہندوستان میں بطور مستقل اقلیت کے رہیں تو اُنکے مجلسی اور سیاسی حقوق کی حفاظت کی گارنٹی کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ (خصوصاً جبکہ اُنکے موجودہ محافظ اہل فرنگ ہندوستان سے بستر گول کر کے بہت دُور جا چکے ہونگے!)

سوئم۔ متحدہ ہندوستان میں ہندوستان کی فوج میں مسلمانوں کا تناسب آبادی کے لحاظ سے ہوگا۔ ۱۹۳۹ء میں ہندوستانی فوج کے مسلمان جوانوں کی تعداد ⅓ سے کچھ زیادہ تھی۔ اب اُنکی تعداد ۳۰.۸

فی صدی کے قریب ہے۔ ہندوستان میں متحدہ قومی حکومت کے قیام پر یہ تناسب آبادی کے لحاظ سے اور بھی کم ہو گا یعنی ۲۵ فیصدی کے قریب اس سے نہ صرف برطرف شدہ فوجی مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہوگی بلکہ فوج میں ہندو تناسب بڑھ جانے سے ہندو راج کی جڑیں اور بھی زیادہ مستحکم ہونگی۔ اور مسلمان اقلیت کے حقوق کے لئے خطرہ پیدا ہو جائے گا

چہارم۔ ملک کی صنعت و حرفت و تجارت کا بیشتر حصّہ اس وقت ہندو سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں تک شمال مغربی سرحدی صوبہ میں بھی (جہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۳۶۔۷۵ فی صدی ہے) صوبہ کی تجارت زیادہ تر ہندو سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح سے بنگال میں اگرچہ مسلم اکثریت ہے لیکن کلکتہ کارپوریشن کے صنعتی علاقہ پر زیادہ تر ہندو سرمایہ داروں کا غلبہ ہے۔

مسلمان کیوں پاکستان چاہتے ہیں۔ اسکی اہم ترین وجہ یہی ہے کہ ملک کی صنعت و تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے جسکے مقابلہ میں مسلم سرمایہ داری کے فروغ کا کوئی امکان نہیں۔ لہٰذا مسلمان چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے ان علاقوں میں جہاں مسلم اکثریت ہے مسلمانوں کی حکومت ہو جو انہیں ہندو سرمایہ داروں سے پناہ دے۔ اور جہاں مسلم سرمایہ داری کو ترقی ملے اور مسلم صنعت و حرفت و تجارت کے فروغ کا امکان ہو۔

ب۔ مسلم لیگی۔ نقطہ نظر رکھنے والے لوگوں کو یہ خطرہ ہے کہ اگر ہندوستان

کی ایک متحدہ آزاد حکومت قائم ہوگئی تو راجپوتانہ اور مدراس کے ہندو مسلم اکثریت کے علاقوں میں آکر آبادی کا تناسب برابر کر دیں گے۔ اور کہ آزاد حکومت قائم ہو جانے کے بعد ہندوستان سے باہر کی مسلمان طاقتوں سے تعلقات کے سوال پر پھر ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں مٹھ بھیڑ ہوگی۔ مثلاً مرکزی اسمبلی کے غیر مسلم نمائندے اگر ٹرکی یا ایران سے درآمدہ اشیا پر ٹیکس لگانا چاہیں تو ہندوستانی مسلمان اس کے خلاف ووٹ دینگے۔ لیکن چونکہ اکثریت ہندوؤں وغیر مسلمانوں کی ہوگی لہذا وہ من مانی کر سکیں گے۔ اسلئے لازم ہے کہ دو خود مختارانہ حکومتیں ہندوستان اور پاکستان قائم ہوں جو ایک دوسرے کے دائرہ عمل میں دخل اندازی نہ کریں۔

متذکرہ بالا سیاسی خیال کے حامی بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ دنیا کے ہر ملک میں ہمیشہ سے یہ اصول چلا آیا ہے کہ اگر دو قومیں مجلسی۔ مذہبی و سیاسی تضاد کی بنا پر باہم امن وچین سے نہ رہ سکیں تو انکے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے علیحدہ علیحدہ خود مختار بری خطوں میں منقسم ہو جائیں۔

آئرلینڈ کا خطہ السٹر نامی دیگر علاقہ سے سیاسی تضاد کی بنا پر علیحدہ کر دیا گیا۔ برطانوی حکمران عربوں اور یہودیوں کے درمیان خانہ جنگی کے پیش نظر فلسطین کو تقسیم کرنے پر آمادہ معلوم ہوتے ہیں۔ بلقانی سطح مرتفع سات آٹھ خود مختار حکومتوں پر مشتمل ہے۔ لہذا صرف ہندوستان

ہی متحدہ کیوں رہے!

پاکستانی یہ دعوے کرتے ہیں کہ پاکستان کا قیام صرف مسلمانوں کے ہی مفید مطلب نہیں ہوگا بلکہ ہندوؤں کو بھی اس سے بہت فائدہ پہنچے گا! چونکہ مسلم اکثریت کے صوبوں کی علیحدگی سے کانگرس کو اقلیتوں کے مسئلہ کے دردسر سے نجات ملیگی اور گاندھی جی کے "کانگرسی" پروگرام پر عملدرآمد گی میں رخنہ اندازی نہیں ہو گی۔

پاکستان کی علیحدگی سے ہندوانڈیا کو وہی راحت نصیب ہوگی جو ڈاڑھ درد کے مریض کو کھوکھلی ڈاڑھ نکلوا دینے سے ہوتی ہے۔ (ایک بار زور کا درد ضرور ہوگا!)

موجودہ صورت حال میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے متضاد مجلسی و سیاسی طرز عمل کے پیش نظر مضبوط مرکزی حکومت کا قیام ناممکن ہے متحدہ ہندوستان میں ہندو اکثریت اور مسلم اقلیت کے درمیان ہمیشہ رسہ کشی جاری رہیگی - اور مستقل امن و مستحکم پالیسی کا قیام ناممکن ہوگا۔

ہندوستان کے تجربہ کار بوڑھے سیاستدان۔ شری یت راجگوپال آچاریہ بھی مندرجہ بالا خیال کے لوگوں میں سے ہیں۔ بارہا انہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعے ہندوستان کی تقسیم کی حمایت کی ہے شری یت راجگوپال آچاریہ کے نقطہ نظر کی وضاحت میں یہاں یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ وہ مسلم لیگیوں کی طرح "تقسیم" کو بذات خود ہندوستان کے

لئے مفید نہیں سمجھتے۔ لیکن چونکہ وہ یہ نہیں چاہتے کہ ہندوستان کی آزادی کا سوال غیر معین عرصہ کے لئے التوا میں ڈالا جائے۔ لہذا ان کا یہ خیال ہے کہ غلام اکھنڈ ہندوستان سے تقسیم شدہ آزاد ہندوستان بہتر ہے نیز وہ بے چین۔ خانہ جنگی پر مائل متحدہ ہندوستان کی نسبت منقسم لیکن ترقی یافتہ پر امن ہندوستان کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ انکا اپنا خیال ہے آیا تقسیم شدہ ملک پر امن رہ بھی سکتا ہے یا نہیں۔ اس سوال پر ہم آئندہ صفحات میں تنقید کریں گے) اس نظریہ کے لوگ بڑے زور سے دلیل دیتے ہیں کہ ہندو اور مسلمان ملک کے سیاسی اکھاڑہ میں دو حریف ہیں ہر ایک دوسرے کو کچل دینا چاہتا ہے۔ بہت عرصہ پہلے لالہ ہر دیال نے ایک بار اعلان کیا تھا" اگر ہندو اپنی حفاظت چاہتے ہیں تو انہیں افغانستان اور شمالی سرحد کے باشندوں کو فتح کر لینا چاہئے اور تبلیغ مذہب سے انہیں ہندو بنا لینا چاہئے"۔

ہندو سبھا کے نمائندے بار بار اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہندوستان کی قومی زبان ہندی ہونی چاہئے اور رسم الخط دیوناگری۔ اردو نہیں۔ بعض اوقات جب فرقہ وارانہ فضا مکدر ہوتی ہے تو ہندو لیڈر مسلمانوں کا اور مسلمان ہندوؤں کا سوشل بائیکاٹ کئے جانے کی تلقین کرتے ہیں۔ ایکبار ایک کٹر ہندو سبھائی نے یہاں تک کہ دیا کہ "ہندوستان ہمارا وطن ہے مسلمان انگریزوں کی طرح بیرون ملک سے آمدہ مہمان ہیں۔ مہمان چاہیں تو امن سے رہیں۔ ورنہ اپنے قدیمی ملک۔ عرب کو

واپس لوٹ جائیں۔

متذکرہ بالا قسم کے فرقہ دارانہ تضاد کے پیش نظر ہندوؤں و مسلمانوں کا مشترکہ گورنمنٹ قائم کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے لہذا۔ ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم کی مصلحت۔

جب تک ملک کے متضاد عناصر ایک مشترکہ حکومت قائم رکھیں گے اس مشترکہ مرکزی حکومت کا بہت سا وقت اور کوششیں مختلف گروہوں کے درمیان امن و امان قائم رکھنے میں صرف ہونگی اور وہ حکومت کوئی مستقل اور زور دار پالیسی پر عمل پیرا نہیں ہو سکے گی۔ چونکہ مختلف گروہوں کے مفاد ایک دوسرے کے متضاد ہیں لہذا۔ کوئی ایک مشترکہ پالیسی ہو ہی نہیں سکتی یا کم از کم اُس پالیسی سے کوئی بنیادی تبدیلیاں رونما نہیں ہو سکتیں۔ چونکہ مختلف گروہ حکومت وقت کو مخالف سمتوں میں کھینچیں گے۔ اور اس لیے مطلب کی کھینچا تانی میں لاانتہا طاقت ضائع ہوگی جو بحالت دیگر تعمیری کاموں و حقیقی طور پر انقلابی پروگرام میں صرف کی جا سکتی ہے لہذا یہ کہا جاتا ہے کہ اگر مذہب کی بنا پر ملک کے حصے بخرے کر دیے جائیں تو اس سے جہاں ملک کے آئے دن کے فرقہ دارانہ جھگڑے ختم ہو جائینگے وہاں علیحدہ علیحدہ حکومتیں اپنے اپنے زیر حکومت خطوں میں تعمیری پروگراموں پر عمل پیرا ہو سکیں گے۔

اب پاکستان کے سماجک پہلو کو لیجیے۔

کہا جاتا ہے کہ مغربی طرز کی جمہوریت کا نفاذ ہندوستان میں ناممکن ہے

چونکہ مندرجہ بالا طرز کی جمہوریت کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ متعدد سیاسی پارٹیاں کم از کم بنیادی اصولوں پر متفق ہوں۔

اب متذکرہ بالا سچائی کا موجودہ ہندوستانی صورت حال پر اطلاق کیجئے۔ ہندوستان کی مجوزہ جمہوری گورنمنٹ میں ہندو اور مسلمان دو ضروری عنصر ہونگے۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق اگر کوئی گورنمنٹ اسلامی اصولوں پر مبنی نہیں تو وہ 'دار الحرب' یعنی میدان کارزار ہے۔ اسلامی اصول ہندو مذہب و تہذیب کے ناموافق ہیں۔ مسلمانوں کے خیال کے مطابق ہندو کافر ہیں اور ہندوؤں کے 'دھارمک' نقطہ نظر سے مسلمان 'اچھوت' ہیں۔ کئے دن کے ہندو مسلم فساد اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ گئو کشی۔ جھٹکہ اور حلال۔ مسجد اور باجہ شدھی اور تبلیغ وغیرہ وغیرہ سوالوں پر لوگ 'شہید' ہو جاتے ہیں۔

۱۹۰۹ء کا جداگانہ طریق انتخاب۔ ۱۹۱۶ء کا لکھنؤ پیکٹ۔ بنگال پیکٹ نہرو رپورٹ۔ ہندو مسلم مصالحت کی متعدد بار کی گئیں۔ کوششیں۔ ولایت میں منعقد شدہ گول میز کانفرنسیں وغیرہ وغیرہ تمام ناکام ثابت ہوئیں اور ہندو مسلم گتھی کو حل نہ کر سکیں۔

اب دونوں قومیں برملا در پردہ ایک دوسرے کے خلاف تیاریاں کر رہی ہیں۔ بنارس یونیورسٹی کے مقابلہ پر علیگڑھ یونیورسٹی۔ شدھی کے رد پر تبلیغ کی تحریک۔ راشٹریہ سنگھ کے خلاف۔ خاکسار تحریک وغیرہ وغیرہ دونوں قوموں کے بنیادی تضاد کا آئینہ دار ہیں۔

لہٰذا یہ دلیل دی جاتی ہے۔ کہ ہندوستان کی بہتری اسی میں ہے کہ ملک کی سطح کو مذہب وجماعتی بنا پر منقسم کر دیا جائے تاکہ آئے دن کے فسادات و بیہم کشمکش کی جڑ کٹ جائے۔

پاکستان کے حامی اس بات کا دعوےٰ کرتے ہیں کہ ہندوستان ایک ملک نہیں بلکہ براعظم ہے۔ جسمیں محض انواع واقسام کے باشندے نہیں بلکہ مختلف قومیں آباد ہیں۔ جنکے طریق بود و باش۔ رسوم و رواج۔ زبانیں۔ مذاہب اور عقیدے ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں بلکہ بعض حالتوں میں متضاد ہیں۔ اس قسم کے نقطۂ نظر کے لوگ مذہب کی بنا پر ملک کی بڑی تقسیم کے موجودہ مسئلہ پہ دلائل دیتے وقت اکثر یہ کہتے ہیں کہ ملک ’انڈیا‘ ایسی کوئی چیز بروئے زمین پر موجود نہیں۔ اور نہ ہی ’ہندوستانی‘ نام کی کوئی قوم ’ہندوستان‘ نام کے کسی ملک میں آباد ہے۔ ایشیا براعظم میں دو خطے ہیں ’پاکستان‘ اور ’ہندوستان‘ جنمیں مسلمان اور ہندو دو قومیں اکثریت میں آباد ہیں۔ ان دو خطوں کی حکومتیں قطعی طور پر خود مختار اور سیاسی طور پر ’لاتعلق‘ ہونی چاہئیں۔ یہ انگریزوں اور ہندوؤں کی زبردستی ہے کہ وہ مسلمان قوم اور اُنکے خطے ’پاکستان‘ کی آزادی کو حذف کرنے اور پاکستان کو خواہ مخواہ ہندوستان سے وابستہ کرنے پہ تلے ہوئے ہیں۔ اس قسم کی ذہنیت کا ثبوت مسلم لیگ کے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح نے حال ہی میں دیا جبکہ ایک غیر ملکی اخباری نمائندہ سے بات چیت کے دوران میں آپنے برملا یہ کہا کہ ’میں ہندوستانی نہیں ہوں!‘۔ اپنے بیان کی وضاحت کرتے ہوئے قائد اعظم نے مزید فرمایا

کہ 'ہندوستانی' نام کی کوئی قوم روئے زمین پر موجود نہیں۔ 'ہندو' اور 'مسلم' دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں۔ لہٰذا انہوں نے کہا کہ وہ 'مسلم' ہیں 'ہندوستانی' نہیں۔ (ٹربیون' اخبار کی ایک خبر سے ماخوذ)

جو لوگ اس قسم کے مجلسی و سیاسی نقطہ نظر پر مبنی دلائل دیتے ہیں وہ اسبات کا بار بار اعادہ کرتے ہیں کہ 'ہر قوم' میں چند مخصوص صفات ہوتی ہیں جنکی نشوونما اسی حالت میں ہوسکتی ہیں جبکہ اس قوم کو سیاسی خود مختاری اور ایک خاص حد تک جغرافیائی و مجلسی 'علیحدگی' حاصل ہو۔ ہر قوم کی مخصوص صفات کی نشوونما نسلِ انسان کی مجموعی ترقی کا کارن بنتی ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی موجودہ ناتسلی بخش مجلسی و سیاسی حالت کی وجہ بہت حد تک یہی ہے کہ انہیں متذکرہ بالا سیاسی خود مختاری اور 'علیحدگی' حاصل نہیں جو انکی مخصوص 'قدرتی صفات' کی نشوونما کے لئے ضروری ہے۔ اس دلیل کے ساتھ وہ لوگ مسلم اکثریت کے صوبوں میں 'مسلم راج' کے قیام کا بہ زور مطالبہ کرتے ہیں۔ چونکہ وگرنہ بہ حالت دیگر ہندوستان کی متحدہ حکومت میں چالیس کروڑ باشندوں کی نمائندہ مرکزی اسمبلی میں دس کروڑ مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہیں گے۔ اور انہیں اپنی مخصوص مذہبی و نسلی صفات کو نشوونما دینے کا موقعہ نہیں ملیگا۔

۱۹۳۵ء کے آئین کے نفاذ سے پہلے مسلمانوں کا خیال تھا۔ کہ خاص مراعات اور دیگر آئینی شرائط و متعلقہ تحفظات کے ذریعے سے

اُنکے سیاسی اور مجلسی حقوق کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ لیکن مندرجہ بالا آئین کے زیر اثر کانگرسی وزارتوں کے قیام نے اُنکے اس خیال کو بدل دیا ہے اور اب وہ (ہندوستانی مسلمان۔ انہیں محض مسلمان ہی کہنا چاہیئے چونکہ مسٹر جناح کے عقیدہ کے مطابق مسلمان ہندوستانی نہیں ہیں!) یہ سمجھتے ہیں کہ مستقل سیاسی علیحدگی۔ اور دو مختارانہ حکومتوں —— پاکستان اور ہندوستان (دو سے زیادہ متعدد حکومتیں بھی ہوں تو مسلم لیگیوں کو کوئی اعتراض نہیں!) کا قیام ہی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کر سکتا ہے!۔

اب ذرا ہندو مسلم مسئلہ کے اقتصادی پہلو پر نظر کیجئے۔

پاکستان کے شیدائی بار بار یہ دلیل دہراتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اقتصادی مفاد بھی اسوقت ایک نہیں ہیں۔ ہندو سرمایہ دار ہیں مسلمان مزدور۔ ہندو زیادہ تر کارخانہ دار ہیں، مسلمان کسان۔ ہندو قرضخواہ ہیں اور مسلمان قرضدار۔ ہندو اسوقت ہندوستان کی تمام تجارتی منڈیوں پر چھائے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کو تجارت میں ترقی کے بہت کم موقعے میسر ہیں۔ مثال کے طور پر صرف بنوں (شمال مغربی سرحدی صوبہ میں) شہر کی تقریباً دو ہزار دوکانوں میں سے صرف دس بارہ کے قریب مسلمانوں کی ہیں۔ لہذا وہ لوگ (پاکستان کے مداح) یہ کہتے ہیں کہ اگر ہندوستان کی متحدہ حکومت قائم ہوئی تو ہندو اکثریت مسلم اقلیت پر غالب آئے گی اور اسے ہڑپ کر جائیگی۔ انہیں ہندوؤں پر اعتبار نہیں۔ اور انہیں ڈر ہے کہ

ہندو اکثریت مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو اور بھی بدتر بنا دے گی۔
کہا جاتا ہے کہ اسوقت ہندو سرمایہ دار اس درجہ ملک کی صنعت تجارت پر غالب ہیں کہ جب تک مسلمانوں کو خاص تحفظات بہم نہ پہنچائے جائیں وہ ترقی نہیں کر سکتے۔ اور حقیقی اقتصادی پناہ مسلمانوں کو اسلامی راج یعنی 'پاکستان' میں ہی میسر آ سکتی ہے۔

پاکستان کے اقتصادی پہلو کا جائزہ لیتے وقت کئی ایک پاکستان کے بھگت اسبات کا اعتراف کرتے ہیں کہ 'اسلامی راج' کے خطے میں اگرچہ کوئلہ میسر نہیں ہو گا لیکن اس علاقہ میں دریا اور نہریں بافراط ہیں لہذا کوئلہ کی کمی بجلی سے پوری کی جا سکتی ہیں۔ منڈی ہائیڈرو الیکٹرک اسکیم سے ہی اندازاً سوا لاکھ کلو واٹ بجلی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو تمام پنجاب کی کھپت کے لئے کافی ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں زیر کاشت زمین پر آبادی کا بوجھ کافی ہے لیکن بہتر ذریعہ کاشت اور سائینٹفک اوزاروں کے استعمال سے زراعتی پیداوار کئی گنا زیادہ کی جا سکتی ہے۔ کاشتکاروں و زمینداروں کو جو زیادہ تر مسلمان ہیں زراعتی ترقی کی ضرورت ہے۔
اسکے برعکس 'ہندو راج' میں مرکزی حکومت صنعتی ترقی کی طرف زیادہ توجہ دے گی (چونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ہندو کارخانہ داروں کی حکومت ہو گی۔ جنھیں مسلمان کاشتکاروں سے کوئی واسطہ نہیں ہو گا!) اور مسلمان کاشتکار موجودہ ناگفتہ بہ حالت میں رہیں گے!۔

پاکستان کے مداح آخیر میں یہاں تک بھی کہ دیتے ہیں کہ چلو یہ مان بھی لیا جائے کہ اقتصادی طور پہ پاکستانی علاقہ گھاٹہ میں رہیگا اور کئی ایک اشیا کی در آمد کے لئے ارد گرد کے علاقوں کا محتاج ہوگا۔ تو پھر کیا ہے 'آزادی' (ہندو راج سے آزادی!) نایاب ترین چیز ہے۔ اور پھر روئے زمین پہ کوئی بھی ملک اقتصادی لحاظ سے بالکل سو فیصدی خود مختار نہیں ہو سکتا۔ باہمی در آمد و بر آمد نیز ایک دوسرے پر انحصار موجودہ بین الاقوامی اقتصادیات کا خاصہ ہے۔

وہ اسبات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ 'پاکستان' کا قیام اقلیتوں کے مسئلہ کو ہمیشہ اور قطعی طور پر حل نہیں کرے گا۔ بلکہ پاکستانی علاقہ میں اقلیتی مسئلہ بدستور رہیگا۔ لیکن "ہم محض اقلیتی گتھی سلجھانے کے لیے پاکستان کا مطالبہ نہیں کر رہے بلکہ اسلئے کہ 'اسلامی خطہ' میں 'مسلمان قوم' کی روحانی اور ذہنی قوتوں کو (جو ہندو راج کے غلبہ میں دبی دبی سی رہنگی) نشو و نما کا موقعہ ملیگا۔" اور پاکستان کے قیام سے اسلامی حکومتوں کے دائرہ میں ایک اور حکومت کا اضافہ ہوگا اور پان اسلام کی تحریک کو تقویت ملیگی۔

مسلم لیگی مباحثہ میں اسبات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ پاکستانی علاقے قدرتی سرحدیں نہیں رکھتے۔ لیکن پھر کیا ہے۔ دنیا کے اور بہت سے ممالک بھی تو قدرتی حدود نہیں رکھتے اسکے باوجود وہاں خود مختار حکومتیں قائم ہیں۔ حدود بندی کا احساس لوگوں کے دل میں ہے۔ جغرافیائی لکیروں۔ پہاڑوں و دریاؤں میں نہیں۔" ہندو اور مسلمانوں کے مفاد جدا جدا ہے۔ اگر کوئی

بیرونی مسلم طاقت ہندوستان کی متحدہ فیڈریشن پر حملہ کرے تو سرحد کے پٹھان مدراس کے ہندوؤں کی طرفداری کی بجائے حملہ آور کا ساتھ دیں گے چونکہ وہ مذہبی اور نسلی طور پر مسلم حملہ آور کے نزدیک تر ہیں۔

مسلم لیگی خیال کے لوگ پاکستان کی اقلیتوں کے مسئلہ کو نظر کر جاتے ہیں۔ چونکہ شمال مشرقی ہندوستان کے علاقوں کی حدود کے اخلاط سے مسلم اکثریت کو ۸۰٪ فیصدی تک بڑھایا جا سکتا ہے۔ اور غیر مسلم اقلیت کو ۲۰٪ تک گھٹایا جا سکتا ہے۔

لہذا وہ یہ کہتے ہیں ۸۰ فیصدی کے مسلم نقارخانہ میں ۲۰٪ طوطی کی آواز کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ اور پاکستان خالص اسلامی راج ہوگا!

پاکستان مُردہ باد

پاکستان کے حامیوں کے مقابلہ میں ایک ایسی جماعت ہے جو ہندوستان کو متحدہ رکھے جانے کے حق میں ہے۔ موخرالذکر جماعت کے چند عناصر تو تقسیم کے سوال پر مر مٹنے کے لئے تیار ہیں مسلم لیگی سلسلہ بحث شروع ہی ان بنیادی اصولوں سے کرتے ہیں کہ ہندو اور مسلم دو قومیں ہیں، انکے مفاد ایک دوسرے سے جداگانہ اور متضاد ہیں، اور حکومت اور قومیت کی بنیادیں مذہب پر قائم ہونی چاہئیں۔ اکھنڈ ہندوستان کے علمبردار مسلم لیگیوں کی متذکرہ بالا بنیادی سچائیوں کو ہی رد کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل سطور میں ہم اکھنڈ ہندوستان کے حامیوں کا نقطہ نظر اور انکی دلائل پیش کریں گے

پاکستان کے حق میں پہلی دلیل جسکی ترجمانی مشہور ماہر سیاسیات پروفیسر کوپ لینڈ نے کی ہے یہ ہے کہ "اگر مذہب کی بنا پر ہندوستان کی تقسیم کے

عقیدے کو مان لیا جائے۔ تو اس سے مسلمانوں کے دل سے ہندو راج کا ہوّا نکل جائیگا۔ اور حالی بھی میں اس ڈر کی وجہ سے دونوں جماعتوں کے درمیان جو کشیدگی پیدا ہو گئی ہے وہ دور ہو جائیگی"۔ اکھنڈ ہندوستانیوں کا خیال ہے کہ یہ دلیل صریحاً فرسودہ اور بے بنیاد ہے۔!

اولاً یہ کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے دل میں ہندو راج کا ہوّا نہیں ہے۔ صوبہ سرحد کے لاکھوں پٹھان جنہوں نے کانگریس کا ساتھ دیا (اور جنکے ووٹوں کی بنا پر آج اس صوبہ میں کانگریس وزارت قائم ہے) ہندوستان کے حصے بخرے کئے جانے کے خلاف ہیں۔ وہ پاکستان نہیں چاہتے۔ انکے دل میں ہندو راج کا ہوّا شمہ بھر نہیں۔ انکے ساتھ ہندوستان کے لاکھوں نیشنلسٹ مسلمان ہیں۔ شیعہ۔ جمعیت العلماء۔ مسلم کانفرنس۔ کشمیر کی نیشنلسٹ کانفرنس۔ بنگال کے پرجا کرشک۔ خاکسار۔ وغیرہ وغیرہ پاکستان کا قیام نہیں چاہتے۔ در اصل ہندو راج سے انتہائی خائف اور مسلم لیگ کے سب سے بڑے مداح ان علاقوں کے مسلمان ہیں جو پاکستان میں کسی طرح بھی شامل نہ ہونگے۔ اور تا وقتیکہ وہ مسلمان اپنے علاقوں سے نقل مکانی کر کے مفروضہ پاکستان میں نہ آ جائیں انہیں چار و ناچار ہندو اکثریت کے علاقوں میں اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ رہنا ہی ہوگا۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سو فیصدی مسلمانوں کے دل میں ہندو راج کے آئندہ مظالم کا ڈر ہے۔ تو معاملہ کسی طرح صاف نہیں ہوتا۔ چونکہ ادھر

ہندوؤں کو بھی تو پان اسلامی اژدھے سے ہڑپ ہو جانے کا خدشہ ہے۔ اگر دلیل کے لئے کانگریس کو ہندو جماعت مان لیا جائے تو ہندو راج کے بے ضرر ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے۔ کہ ۱۹۳۵ء کے آئین کے زیر قائم شدہ کانگریسی وزارتوں کے دور میں کسی کانگریسی صوبہ میں ایک بار بھی اس صوبہ کے گورنر کو اقلیتوں کی حفاظت کے لئے خاص اختیارات استعمال کرنے کی حاجت نہیں ہوئی۔ اور اسکے برعکس پاکستان کے قیام کے بعد انتہا پسند لیگیوں کے کیا ارادے ہیں۔ یہ دیکھنے کے لئے مندرجہ ذیل ماخوذ ملاحظہ ہوں:۔

بہت پرانی بیس تیس سال کی بات نہیں۔ حال ہی میں ۱۹۴۳ء میں چھپی۔ کتاب بنام 'پاکستان کے معنی' کے دیباچہ میں مسٹر الیف۔ کے خاں درانی رقمطراز ہیں:۔

"ہندوستان میں ایک چپہ زمین بھی ایسی نہیں جسے ہمارے آباؤاجداد نے خون کے قطرے دیکر نہ خریدا ہو۔ ہمیں اپنے نسلی طریقہ کار پہ قائم رہنا ہوگا۔ تمام ہندوستان ہمارا ورثہ ہے لہذا ہمیں اسلام کے نام پر تمام ہندوستان کو فتح کرنا ہوگا۔ فتح کرنا اور پھیلانا ہمارے مذہب کی روحانی ضرورت ہے ...... ہمارا منتہائے مقصود ہندوستان کی ایکتا ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ اتحاد اور ایکتا اسلام کے جھنڈے کے نیچے ہو۔ ورنہ ہندوستان کی نجات ناممکن ہے"

پاکستان کی وکالت کرتے ہوئے ایک پنجابی، لکھتے ہیں۔ "یہ صاف

صاف بیان کر دینا ضروری ہے کہ ہندوستان سے علیحدگی بذات خود ہمارا نصب العین نہیں بلکہ یہ ایک دوسرے نصب العین کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور یہ دوسرا نصب العین ہے۔ خالص اسلامی حکومت کا قیام .... خود مختاری حاصل کر لینے کے بعد ..... ہمیں ایک دوسری انقلاب لانا ہے۔ جسکی بنیادیں خالص اسلامی طرزِ عمل پر قائم ہونگی۔"

"انڈین مسلمانوں کی پاکستان کے حصول کے لئے کوششیں ایک بہت بڑی تحریک کا ضروری جزو ہیں۔ اس بڑی تحریک کا مقصد ہے تمام مسلم ممالک کی ایک متحدہ حکومت قائم کرنا ..... بنگال شمال مغربی سرحدی صوبہ اور ریاست حیدر آباد اُس بڑی مسلم فیڈریشن کے جزو ہونگے۔"

مندرجہ بالا ارادوں کے پیش نظر یہ دیکھنا ناظرین کا کام ہے کہ ہندوؤں کو مسلم لیگی ارادوں سے خدشہ ہونا چاہیئے یا اس کے برعکس۔

زیرِ بحث اعتراض کا دوسرا حصہ ہے کہ "اگر پاکستانی اصول کو مان لیا جائے تو حالیہ ہی میں دونوں جماعتوں کے درمیان جو کشیدگی پیدا ہوگئی ہے وہ دور ہو جائیگی۔" جو لوگ متذکرہ بالا دلیل دیتے ہیں وہ کچھ اس طرح سے سوچتے ہیں جیسے دونوں جماعتوں کے درمیان کشیدگی ایک علیحدہ امر واقع ہے اور پاکستان کی تحریک الگ چیز ہے۔ اور اول الذکر کے علاج کے لئے پاکستان کا قیام ضروری ہے۔

بہ نظر غور دیکھا جائے تو موجودہ جماعتی تفرقہ کی بنیادیں پاکستانی غوغے میں پنہاں ہیں۔ اول الذکر کے علاج کے لئے موخر الذکر کا قیام نہیں بلکہ انسداد ضروری ہے۔ اسکے برعکس ملک کے حصے بخرے کئے جانے کی تحریک جتنا زور پکڑے گی۔ ملک میں اسی قدر فرقہ پرستی اور مذہبی جنون پھیلیں گے اور جماعتی رنجشیں زیادہ ہونگی۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مفاد ایک دوسرے کے متضاد ہیں اور فریقین کے مابین ایک دوسرے کے خلاف خدشات "واقعی" ہیں۔ تو یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ ان جماعتی مفاد کو برقرار رکھنے کے لئے اور خدشات کی تشفی کے لئے ملک کی تقسیم ہی واحد علاج ہے۔ اقلیتوں کی حفاظت کی گارنٹی اور بہت سے ذرائع سے ہوسکتی ہے جو ذرائع سیاسیات سے واقف ہر شخص جانتا ہے۔ یہ کہنا کہ اگر مذہب کی بنا پر موجودہ ہندوستان کو دو یا اس سے زیادہ حصوں میں منقسم کردیا جائے تو ہمیشہ کے لئے فرقہ دارانہ جھگڑے مٹ جائیں گے اور جماعتی رنجشیں دور ہو جائیں۔ تاریخی واقعات کے منافی معلوم ہوتا ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ پچھلی جنگ عظیم میں عربوں نے اپنے مسلم بھائی ترکوں کا مقابلہ کرنے سے ذرا احتراز نہیں کیا۔ اور جب ہندوستان کے مسلمان ترکی کے سلطان کے وقار و اختیارات کو برقرار رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی تک کا زور لگا رہے تھے۔ عربوں نے اُسی سلطان ترکی کے خلاف بغاوت کی ہوئی تھی۔ ہم مذہبی سے

تمام اختلافات نہیں مٹ جاتے۔ موجودہ جنگ عظیم میں دو حریف جرمن اور انگریز نہ صرف ہم مذہب (عیسائی) تھے بلکہ دونوں کا نسلی منبع بھی ایک ہی سیکسن نسل تھا۔

عربی مسلمان اور ترکی مسلمان کے سیاسی تعلقات کا تو ذکر ہی کیا ایک ہی حکومت کے زیر اثر ہم مذہب باشندے جماعتی نفاق کا شکار رہے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں میں شیعہ سُنیوں اور ہندوؤں میں آریہ سماجی و سناتن دھرمیوں کے جھگڑے اس سچائی کی منہ بولتی مثالیں ہیں۔ انگلستان میں رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ عیسائیوں میں عرصہ دراز تک بلی کتے کا بیر رہا۔

یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ ہندوستان میں پاکستانی تقسیم کے بعد موخرالذکر خطہ کے مسلمانوں میں باہمی کوئی اختلاف ہوگا ہی نہیں۔ بلکہ اسکے برعکس یقین کرنے کے لئے ہمارے پاس وجوہات ہیں۔ جنکی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ "خالص اسلامی" علاقہ میں بھی سندھی مسلمانوں کو پنجابی مسلمانوں پر۔ اور پنجابی مسلمانوں کو سرحدی پٹھانوں پر وشواس نہیں ہوگا اور ان صوبوں کے مسلمان درپردہ ایک دوسرے کے خلاف دھڑا بندی پر آمادہ رہیں گے۔

حال ہی میں سندھ اسمبلی میں کولیشن پارٹی کے صدر اور اپوزیشن کے لیڈر مسٹر جی۔ ایم۔ سید نے (جو اُنکے اپنے بیان کے مطابق مسلم لیگی ہیں اور پاکستان میں یقین رکھتے ہیں) ایک بیان کے دوران میں یہ خدشہ

ظاہر کیا کہ اگر مجوزہ پاکستانی گورنمنٹ میں تمام مسلم صوبوں کو برابر نمائندگی نہ دی گئی تو پنجاب کے مسلمان سندھ پر غلبہ جمالیں گے اور موخرالذکر صوبہ کے مسلمانوں کے سیاسی و اقتصادی مفاد کو نقصان پہنچائیں گے۔ اپنے بیان کی وضاحت میں مسٹر جی۔ ایم۔ سید نے کہا کہ اگر آبادی کی بنا پر پاکستان کی گورنمنٹ میں صوبوں کو نمائندگی دی گئی تو پنجاب کے نمائندے سندھ سے پانچ گنا زیادہ ہونگے۔ اور موخرالذکر کے سیاسی و اقتصادی مفاد پر اثر انداز ہونگے۔ (ٹربیون اخبار کی ایک خبر سے ماخوذ۔ اپریل ۹ر ۱۹۴۶ء)

لیگیوں کا یہ پر زور خیال ہے کہ پاکستان کے قیام سے ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام ہو جائے گا۔ چونکہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کے اُس پار جو قبائل آباد ہیں وہ تمام مسلمان ہیں لہذا اپنی ہم مذہب شمالی ہندوستان کی پاکستانی حکومت کے خلاف وہ کوئی فوجی اقدام نہیں اٹھائینگے۔ اکھنڈ ہندوستان کے حامیوں کا یہ دعوےٰ ہے کہ مندرجہ بالا خیال سراسر بے بنیاد ہے۔ چونکہ کہا جاتا ہے کہ سلطنت مغلیہ کے دور میں بھی جبکہ صرف شمال مغربی و مشرقی ہندوستان ہی میں ہی نہیں بلکہ وسط ملک میں بھی اسلامی حکومت تھی۔ شمال مغربی دروں کی راہ سے قبائلی مسلمان و دیگر مسلمان تسلسل میں حملہ آور ہوتی رہی ہیں۔ علاؤالدین خلجی نے بار بار شمالی سرحدوں سے حملوں کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن پیہم حملے ہوتے رہے حملہ آور مسلمان تھے۔ ہندوستان کی حکومت بھی اسلامی تھی۔

ہندوستان کی تاریخ میں احمد شاہ ابدالی ۔ نادر شاہ ۔ امیر تیمور اور بابر کے حملے تمام "اسلامی" تھے اور مسلم حکومت کے خلاف تھے ۔ لہذا یہ کہنا کہ شمال مغربی و مشرقی ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہو جانے سے قبائلی حملے بند ہو جائیں گے غلط ہے بلکہ اسکے اُلٹ ملک کی تقسیم ہو جانے کی وجہ سے اُن حملوں کی مزاحمت کی طاقت کم ہو جائیگی ۔

ملکی حفاظت سے متعلقہ امر کا ایک اور پہلو ہے ۔ جسے پاکستان کے وکیل نظر انداز کر دیتے ہیں اور وہ ہے موجودہ بین الاقوامی سیاسیات اور ایٹم بم ایسی ایجادات کے پیش نظر طاقت اور سنگھٹن کی اہمیت ۔

اس بے چین اور طوفانی دور میں جبکہ بین الاقوامی سیاسیات میں "جسکی لاٹھی اُسکی بھینس" کا اصولی کام کر رہا معلوم ہوتا ہے اور مادہ پرست دہری پکڑ دھکڑ میں ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگلنے کے در پے ہے ایک ذی وقار متحدہ ملک کو چھوٹے چھوٹے خود مختار حصوں میں منقسم کرنا نہ صرف اُنکے درمیان ہمیشہ کے لئے باہمی خانہ جنگی کے بیج بونا ہے بلکہ انہیں ارد گرد کی زبردست طاقتوں کی سیاسی حکمت عملی یا فوجی حملے کا نشانہ بنانا ہے ۔ ملک کے حصے بخرے ہو جانے سے جہاں ہر حصے کی بیرونی حملہ کو روکنے کی طاقت کم ہو جائیگی وہاں اُسکے فوجی اخراجات بڑھ جائینگے چونکہ تقسیم ہو جانے کے بعد ہر خطہ کو اپنی علیحدہ فوج رکھنا ہو گی ۔ (یہ موٹا اصول سمجھنے کے لئے زیادہ ذہن سوزی کی ضرورت نہیں ۔ ایک خطہ زمین کو تین بھائی مشترکہ کاشت کرتے ہیں تو اُسکے لئے ایک جوڑی بیل

ایک ہل - ایک رہٹ اور دیگر لوازمات کافی ہیں - اگر وہ خطہ تینوں بھائیوں
میں علیحدہ علیحدہ تقسیم کر دیا جائے اور وہ انفرادی طور پہ کاشت کریں۔
تو ان میں سے ہر ایک کو ایک جوڑی بیل اور دیگر لوازمات کا انتظام کرنا ہوگا)
اس کے علاوہ ایک پیہم سیاسی 'امید و بیم' کی فضا قائم رہیگی - ہر خطے کو اپنی
پوزیشن مضبوط رکھنے کے لیئے دیگر خطوں اور ہمسایہ ممالک سے غیر ضروری
سیاسی ساز باز کا سلسلہ قائم رکھنا ہوگا - تاکہ دھڑا بندی قائم رہے - اور اس
دھڑا بندی کے سلسلے میں بے انتہا وقت - کوشش اور روپیہ خرچ ہو گا - جو
ملک کے متحدہ رکھے جانے کی صورت میں قومی تعمیر کے کاموں میں خرچ کیا
جاسکتا ہے - ہمیں اپنے ۴۰ کروڑ ان پڑھ ہموطنوں کو تعلیم دینا ہے ہندوستان
کے سات لاکھ دیہات ہیں جو شہروں سے دُور موجودہ تہذیب سے الگ تھلگ
پڑے ہیں، ہسپتالوں اور سکولوں کا انتظام کرنا ہے - ہمارے ملک میں لاکھوں
زچائیں اور بچے بن آئی موت کا شکار ہو جاتے ہیں - سوائے چند بڑے شہروں
کے ہندوستان کے گاؤں و قصبوں میں زچگی کا قطعی کوئی انتظام نہیں -
باشندے مفلس - قلاش - تعلیم سے بے بہرہ - جہالت کی تاریکی میں بھٹکتے پھر
رہے ہیں - اُنکے پاس کھانے کو روٹی اور تن ڈھانپنے کو کپڑا نہیں - کلکتے
کی سڑکوں پہ صبح کے وقت کارپوریشن کے قلی بھوک سے ہلاک ہلاک کر جان
بحق شدہ انسانی پنجر پڑے پاتے ہیں - انہیں ریڈ کراس کی لاریوں میں لاد
کر دریائے ہگلی کی لہروں میں بہا دیا جاتا ہے - ملک کی قلاشی کی یہ حالت
ہے اور ادھر نوابوں اور خطاب یافتہ 'نوکر شاہی' امیروں کی ایک جماعت

ہے جو تقسیم پہلے۔ آزادی پھر کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ قائد اعظم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ "روم جل رہا ہے اور نیرو بین بجا رہا ہے۔" اکھنڈ ہندستان کے حامی کچھ اس طریق پر سوچتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمان اقتصادی طور پر اس وقت بہت پسماندہ ہیں اور پاکستان کے قیام کے بغیر انکی اقتصادی ترقی مشکل ہی نہیں۔ ناممکن ہے۔

اقتصادی تحفظ کے دو پہلو ہیں۔ ا۔ گورنمنٹ کی سول اور ملٹری ملازمتوں کا حصول۔ (۲) اور ملک کی صنعت و تجارت میں حصہ۔

جہاں تک سول و ملٹری ملازمتوں کا تعلق ہے۔ مسلمانوں و دیگر اقلیتوں کا انکی آبادی کے لحاظ سے تناسب مقرر ہے۔ یا تو مسٹر جناح اور ان کے پاکستانی ہم خیال یہ چاہتے ہیں کہ پاکستانی علاقہ میں سول و فوجی ملازمتیں۔ مسلمانوں کو انکے آبادی کے تناسب سے زیادہ دی جائیں اور اس طرح پر انکی اقتصادی پوزیشن کو بہتر بنایا جائے۔ تو یقیناً یہ پاکستانی علاقہ میں مقیم غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی حق تلفی ہوگی اور مسٹر جناح کا متعدد بار دہرایا ہوا وعدہ کہ پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی جائیگی۔ بے بنیاد ثابت ہوگا۔ اور اگر آبادی کے لحاظ سے تناسب مقرر ہوگا تو وہ تناسب پہلے ہی موجود ہے۔ اور پاکستان کا قیام گورنمنٹ ملازمتوں کے حصول کے لحاظ سے مسلمانوں کی "اقتصادی حالت" پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوگا۔

اب رہا مسلمانوں کے تجارتی مفاد کا معاملہ۔ یہ درست ہے کہ صنعت اور تجارت میں ہندو مسلمانوں سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن اسکی وجہ یہ نہیں کہ ہندو مسلمانوں سے آبادی میں زیادہ ہیں۔ اگر آبادی کا تناسب تجارتی برتری کا باعث ہوتا۔ تو پارسی اقلیت تجارتی دنیا میں نہایت پسماندہ ہوتی۔ نہ ہی ہندوؤں کی موجودہ تجارتی برتری اُنکے کسی سیاسی غلبہ کی وجہ سے ہے۔ ہندو، مسلمان، سکھ، پارسی و دیگر اقلیتیں موجودہ سیاسی صورت حالات میں مساوی طور پر انگریزوں کی رعایا ہیں اور کسی ایک جماعت کو (خواہ وہ آبادی میں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو) کسی دوسری جماعت پر سیاسی غلبہ حاصل نہیں۔ بلکہ ہر جماعت کو درون ملک ہی مشترکہ پابندیوں کے ساتھ صنعتی و تجارتی ترقی کے مساوی ذرائع حاصل ہیں۔ گویا ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی موجودہ تجارتی پسماندگی نہ تو غیر مسلم عنصر کے آبادی کے تناسب اور نہ ہی کسی ایک جماعت کے سیاسی غلبہ کی پیداوار ہے۔ بلکہ یہ کہ مسلمان عوام ایک مخصوص نسلی زاویہ نظر کی وجہ سے جو تجارتی ترقی کے منافی ہے۔ دیگر جماعتوں سے پیچھے رہے۔

اس دور میں جبکہ تمام جماعتوں کو صنعتی ترقی کے مساوی ذرائع میسر تھے مسلمان دیگر جماعتوں سے پیچھے رہے۔ اب نئے اسلامی خطے میں انکی تجارتی ترقی تب ہی ہو سکتی ہے کہ انہیں مخصوص مراعات و مواقعے بہم پہنچائے جائیں۔ جن مراعات سے دوسری پاکستانی اقلیتیں محروم

کر دی جائیں۔ اگر ایسا کوئی طرزِ عمل زیرِ غور ہے تو پاکستان میں اقلیتوں کی سیاسی۔ تجارتی اور مذہبی حفاظت کا دعوےٰ محض ایک ڈھونگ معلوم دے گا۔

۲۔ یہ کہنا کہ پاکستان کے قیام سے اقلیتوں کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائیگا۔ بھی بے بنیاد ہے۔ بلکہ اُس کے برعکس یہ کہنا کہ یہ اور بھی پیچیدہ ہو جائیگا سچائی کے قریب تر معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے ۲۵ فیصدی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کیسے کی جائے۔ پاکستان کے قیام کے بعد ہر صوبہ کا اپنا اقلیتی مسئلہ ہوگا۔ جہاں پنجاب کے ۴۳ فی صدی اور بنگال کے ۴۹ فی صدی غیر مسلم مسلم راج کی 'چیرہ دستیوں' کا گلا کریں گے وہاں مدراس کے ۱۱ فیصدی اور یوپی کے ۱۵ فیصدی مسلمان ہندو راج کے 'مظالم' سے نالاں ہونگے اقلیتوں کا مسئلہ حل کیا ہوا بلکہ اور بھی پیچیدہ ہو گیا۔

ملک کی دوبارہ حد و بندی کئے جانے کے بعد سب سے کم اقلیت 'پنجابی' نے اپنی کتاب موسومہ کنفیڈریسی آف انڈیا' میں دکھائی ہے اور اُسکے اندازہ کے مطابق بھی ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ کے قریب افراد اقلیتوں کے دائرہ میں آئینگے جن میں سے ۳ کروڑ کے قریب مسلمان ہونگے۔ علیگڑھ سکیم کے مطابق ۷ کروڑ افراد اقلیتوں کے زمرہ میں ہونگے۔ جن میں سے ۲ کروڑ اسی لاکھ کے قریب مسلمان ہونگے اور متحدہ ہندوستان میں ۸ کروڑ کے قریب مسلم اقلیت ہوگی، پاکستان کا قیام اقلیتوں کے مسئلہ

کو حل نہیں کر دیگا بلکہ اقلیتوں کو ملک کے مختلف حصوں میں منقسم کر دے گا۔

مسلم لیگ کے قائداعظم مسٹر جناح اسبات کا وعدہ کرتے ہیں کہ پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کے جملہ حقوق کا لحاظ لکھا جائے گا۔ ٹھیک! کانگرسی عنصر مسٹر جناح کے اس وعدہ پہ بھروسہ کرنے کے لئے تیار ہے لیکن جب ہندو اکثریت مسٹر جناح کو یہ گارنٹی پیش کرتی ہے کہ متحدہ ہندوستان میں غیر مسلم اقلیتوں کے مذہبی مجلسی اور دیگر حقوق کی طرح طرح سے حفاظت کی جائے گی تو مسٹر جناح کو کیوں یقین نہیں آتا۔ جب متحدہ ہندوستان کے ۲۵ فیصدی مسلمانوں کے خدشات کی بنا پہ ملک کے حصے بخرے کئے جا سکتے ہیں تو پنجاب کے ۴۳ فیصدی اور بنگال کے ۴۹ فیصدی غیر مسلم باشندوں کے خدشات کی بنا پہ ان صوبوں کے غیر مسلم اکثریت کے حصوں کو علیحدہ ہونے سے کیسے روکا جا سکتا ہے۔ اور اگر پنجاب اور بنگال کے غیر مسلم اکثریت کے علاقوں کو پاکستان سے علیحدہ ہونے کا حق دیا جائے۔ جو اصولاً جائز ہے۔ تو کیا یہ پاکستان در پاکستان نہیں ہوگا؟ اور ملک دو یا تین کی بجائے ان گنت چھوٹے چھوٹے علاقوں میں نہیں کٹ جائیگا؟ کیا موجودہ بین الاقوامی حالات اور جدید دہری سیاسیات اس قسم کے کوتاہ نظری۔ فرقہ پرستی اور قدامت پرستی پر مبنی اقدام کی اجازت دیتے ہیں؟ یہ کہنا کہ چونکہ ہندو علاقہ میں مسلم اقلیت ہوگی اور مسلم خطہ میں ہندو اقلیت لہٰذا دونوں علاقوں کی حکومتیں ازراہ

مصلحت اپنی اقلیتوں کی حفاظت کریں گی۔ "منطقی" زیادہ معلوم ہوتا ہے اور "عملی" کم۔ عملی مشاہدہ ہمیں بتاتا ہے کہ اس قسم کی صورت حال باہمی مجبوری "امن" کی بجائے سیاسی رسہ کشی کا موجب ہوگی۔

اقلیتوں کا مسئلہ قطعی طور پر تبھی حل ہو سکتا ہے جب پاکستان سے غیر مسلم اور ہندوستان سے مسلم آبادی ہجرت کر جائے اور اپنے "ہم مذہب" علاقہ میں قیام پزیر ہو۔ لیکن کیا ہندوستان جیسے ہزارہا میلوں پر پھیلے ہوئے براعظم نما ملک میں مقیم کروڑہا انسانوں کے لئے نقل مکانی ممکن ہے؟ اور اگر یہ ہوئی تو دنیا کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا عجوبہ اور سانحہ ہوگی۔ ہندو اقلیت کے علاوہ سکھ اقلیت کے مسئلے کا بھی خاطر خواہ حل ضروری ہے۔ اِنکے اہم ترین گوردوارے و دیگر مذہبی سنستھائیں پنجاب کے زرخیز ترین علاقوں میں واقع ہیں۔ سکھ رہنماؤں نے متعدد بار اس بات کا بہ زور اعلان کیا ہے کہ وہ متحدہ ہندوستان کے حق میں ہیں لیکن اگر پاکستان کا اصول تسلیم کیا گیا تو وہ بھی "سکھستان" کا مطالبہ کریں گے اور کسی حالت میں بھی کسی ایسی غیر سکھ حکومت کے زیر تحت رہنا پسند نہیں کریں گے جو محض مذہب کی بنا پر قائم کی گئی ہو۔ یا دوسرے الفاظ میں وہ پاکستان میں رہنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ اگر پنجاب کے سکھوں کے مطالبہ کے مطابق اُنکے علاقہ جات کو سکھ ریاستوں سے ملا کر سکھستان بنانے کی اجازت دی جائے (اور پاکستان کا اصول تسلیم کرنے کے بعد سکھستان کا مطالبہ کسی حالت میں بھی ٹھکرایا نہیں جا سکتا) تو پنجاب کے زرخیز ترین علاقہ جات

یا سکھوں کے 'ستان' میں ہونگے یا ہندوؤں کے 'خطہ' میں اور پاکستانی علاقہ صرف بہاول پور اور خیر پور ایسی ریگستانی ریاستوں پہ مشتمل ہوگا۔

یہ علاقہ (نہ معلوم طور پر!) 'پاک' ضرور ہوگا لیکن زرخیز نہیں۔

جس طرح پنجاب میں سکھوں کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے اسی طرح سے بنگال میں کلکتہ اور اُسکے نواح کی ہندو اکثریت کا سوال بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ پاکستان کے حامی خواہ مخواہ اس علاقہ کو پاکستانی علاقہ میں شامل کر لیتے ہیں لیکن امر واقع یہ ہے کہ اگر سیاسی رجحان یا 'ہم مذہبی' کی بنا پر ملک کے کسی ایک علاقہ کو خود مختارانہ حکومت کے قیام کا حق دیا جائے تو کلکتہ کی ہندو اکثریت کو اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اندازہ کے مطابق کلکتہ میں ۱۵۳۱۵۱۲ کے قریب ہندو ہیں۔ ۴۹۷۵۳۵ مسلمان اور ۴۹۸۴۴ کے قریب دیگر فریق۔ اس خطہ کی آبادی جو خاص کلکتہ شہر کے علاوہ ۲۴ پرگنہ علاقہ پر پھیلا ہوا ہے۔ ۲۳۰۹۹۹۶ ہندو ۱۱۴۳۱۸۰ مسلم اور ۷۸۲۱۰ دیگر فرقہ جات پر مشتمل ہے۔

چونکہ اس علاقہ میں ہندوؤں کی کافی بڑی اکثریت ہے لہذا وہ اپنی علیحدہ حکومت قائم کریں گے اور اگر صوبہ بنگال کے اس بہترین صنعتی و تجارتی مرکز کو پاکستانی علاقہ سے خارج کر دیا جائے تو بقایا علاقہ اقتصادی طور پہ کافی پسماندہ ہوگا۔

یہ کہنا کہ ہندوستان ایک ملک نہیں بلکہ کئی ملکوں کا مجموعہ ہے۔ صداقت سے بعید ہے۔ اکھنڈ ہندوستان کے حامیوں کا خیال ہے کہ جغرافیائی طبعی

اور قدرتی بناوٹ کے لحاظ سے ہندوستان ایک ملک ہے۔ اور دوسرے
ممالک سے صاف طور پر علیحدہ اسکا وجود ہے۔ جغرافیائی پہلو سے اس
ملک کے تین طرف سمندر ہے اور شمال میں ہمالیہ پہاڑ کا لمبا سلسلہ شمال
مغرب سے لیکر دور مشرقی بنگال تک پھیلا ہوا ہے۔ جو اسے افغانستان
و تبت ایسے دیگر ممالک سے علیحدہ کرتا ہے۔ اور نہ صرف ملکی یکجہتی
کا کارن ہے بلکہ اسے بیرونی حملہ سے حفاظت بھی دیتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں ہر زمانہ میں چھوٹی چھوٹی خودمختار
ریاستیں قائم رہی ہیں۔ لیکن یہ بھی امر واقعی ہے کہ ہر زمانہ میں ایک مرکزی
طاقت ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر غالب رہی ہے جبکی وہ ریاستیں
باجگزار رہیں۔ یا نافرمانی کی صورت میں وہ مرکزی حکومت گاہ گاہ
فوجی مہمیں بھیجکر اُن باجگزار علاقوں پر اپنی حکومت کے حق کا ثبوت
دیتی رہی۔ چونکہ ہندوستان ایک بہت بڑا ملک ہے۔ اور انگریزوں
کی آمد سے پہلے ذرائع رسل و رسائل محدود اور ناکافی تھے۔ لہٰذا
بغاوتیں عام رہیں۔

محض اس بنا پر یہ کہنا کہ چونکہ ہندوستان کا رقبہ یورپ کے مجموعی
رقبہ سے کچھ ہی کم ہے۔ لہٰذا اسے ملک نہیں براعظم کہا جائے۔ غیر مناسب
معلوم ہوتا ہے۔ یورپ میں قدرتی اور جغرافیائی بحری و بری کانٹ چھانٹ
کچھ اس قسم کی ہے کہ وہ براعظم کو علیحدہ علیحدہ خطوں میں منقسم کرتی
ہے۔ اسکے علاوہ رقبہ اور جغرافیائی پہلو ہی اس لحاظ سے مدنظر نہیں

ہونے چاہیں بلکہ اور بھی کئی پہلو ہیں جنکا لحاظ ضروری ہے۔ اگر محض رقبہ کی بنا پر ہی ہندوستان کو برِاعظم کہا جائے تو اس لحاظ سے چین اور رُوس یقیناً برِاعظم ہونگے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔

ہندوستان کی ایکتا میں انگریزی راج سے پہلے ناکافی ذرائع آمد و رفت کی وجہ سے اگر کچھ کمی تھی تو وہ اب پوری ہو گئی ہے۔ ملک کے طول و عرض میں ریلوں کا جال پھیلا ہُوا ہے۔ اب مدراس سے آمدہ ایک مسافر کسی بنگالی یا پنجابی سے اسقدر دور نہیں جتنا آج سے اکسو سال پہلے تھا۔ چونکہ مشترکہ تحریک آزادی۔ ریل و تار برقی کے پھیلاؤ، مشترکہ حکومت، مشترکہ ذریعہ اظہار خیال و بات چیت۔ انگریزی زبان۔ مشترکہ اقتصادی مسئلے۔ ملکی حفاظت۔ دیگر مشترکہ امور نے ملک کے مختلف صوبوں کو ایک مضبوط سیاسی۔ اقتصادی و سماجک رشتہ میں باندھ دیا ہے

آنے والے حالات کو بھانپتے ہوئے ۱۸۷۷ء میں جان برائٹ نے لکھا تھا" ہندوستان کے مختلف فرقے انگریزی راج کے ماتحت ایک دوسرے کے اسقدر قریب تر آ رہے ہیں کہ وہ دن دُور نہیں جبکہ انگریزوں کی روانگی کے بعد وہ اپنی مشترکہ خود مختارانہ حکومت چلانے کے قابل ہونگے"

انگریزوں کی آمد سے پہلے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران اپنے اپنے علاقوں میں مطلق العنان اور ایک دوسرے سے لاتعلق تھے۔ مرکزی طاقت کی اطاعت کے باوجود باجگزاری سے منحرف ہو جانا

مشکل نہیں تھا چونکہ ذرائع آمد و رفت کم، خطرناک اور نا تسلی بخش تھے اب انگریزی راج کے قیام کے بعد تمام ہندوستانی ریاستوں میں مشترکہ تاج کے نمائندہ کے ذریعے سے باہمی وابستگی پیدا ہوگئی ہے۔ (راقم الحروف کو یہ خدشہ ہے کہ کہیں ان دلائل کو انگریزی راج کی برکتیں، ہی تصور نہ کر لیا جائے۔ ہر چیز کا تاریک اور روشن پہلو ضرور ہوتا ہے۔ اور انگریزی راج کا یہ روشن ترین پہلو ہے کہ اس سے ہندوستان کے مختلف دور افتادہ علاقے ایک دوسرے کے قریب تر آگئے ہیں اور ملک میں سیاسی، اقتصادی اور مجلسی ایکتا کا احساس بڑھ گیا ہے۔ اس کے برعکس ابھی ہندوستان میں فرقہ پرستی کی لعنت بھی ہے۔ اور یہ انگریزی راج کا تاریک ترین پہلو ہے کہ بھائی بھائی سے جنگ پر آمادہ ہے! دراصل غور سے دیکھا جائے تو متذکرہ بالا ایکتا انگریزی راج کی از خود پیداوار ہے حکمرانوں کی مرضی سے پیدا شدہ نہیں۔ حکمرانوں نے ملک میں ریل گاڑی کا جال بچھایا تاکہ ملک پر آسانی سے حکومت کی جا سکے۔ بغاوت پر آمادہ علاقوں میں فوری فوج بھیجی جا سکے اور ہندوستان کے دور افتادہ مقامات سے خام اشیا کا سٹاک آسانی سے ریل پر لاد کر دساور بھیجا جا سکے انہوں نے انگریزی طریقۂ تعلیم جاری کیا تاکہ دیسی باشندوں سے کلرک مہیا ہوں جو نظم و نسق میں مدد دیں۔ حکمرانوں نے غلامی کی زنجیروں میں ملک کی سرزمین و باشندوں کو جکڑ دیا۔ باشندوں نے مذاہمت کی۔ بغاوت کی اور مختلف گروہوں نے ودیشی حکمرانوں کو اپنا مشترکہ دشمن،

سمجھا۔ اس مشترکہ خطرے کے احساس نے ایکتا کا جذبہ پیدا کیا۔ اب اگر ریل گاڑیوں کے جال، انگریزی زبان کی تعلیم اور ظلم و تشدد نے ملک میں ایکتا کا احساس پیدا کیا تو کیا ہمیں اپنے حکمرانوں کا مشکور ہونا چاہیئے؟ جزا کا انحصار اگر 'نیت' پر ہے تو ہرگز نہیں!)

پاکستان کی حمایت میں اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ اسلامی تہذیب اور کلچر کی حفاظت اور نشو و نما کے لیئے یہ ضروری ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کی بقیہ ملک سے علیحدہ خود مختار حکومت ہو۔

جو لوگ اس قسم کی دلائل پیش کرتے ہیں وہ اس امر واقع کو نظرانداز کر دیتے ہیں کہ جب تک ہندو مسلم عوام کو اقتصادی فراغت، فرصت، تعلیم اور آزادی میسر نہ ہونگے تہذیب اور کلچر کی ولادت کا ہی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اُسکی حفاظت تو کجا رہی۔ ملک کے رہنما آئے دن اس قسم کے مسئلوں پر جنگ آزمائی کرتے ہیں کہ ملک کی زبان اُردو ہو یا ہندی۔ اگر ہندی اور اُردو ملا کر "ہندوستانی" کو ہندوستان کی قومی زبان مان لیا جائے تو پھر جھگڑا اس بات پر ہوگا کہ اُسے لکھا کن الفاظ میں جائے۔ عربی کے حروف میں یا ناگری میں۔

یہ کلچر، تہذیب، ملکی زبان ایسے مسائل کا تعلق آبادی کے پانچ فیصدی حصے سے زیادہ لوگوں سے تعلق نہیں رکھتا۔ چونکہ ہندوستان میں محض پانچ سات فی صدی کے قریب لوگ خواندہ ہیں اور مسلمانوں میں تو خواندہ آبادی

کا تناسب اس سے بھی کم ہے۔ آبادی کے ۹۵ فیصدی حصے کو جو جدید زندگی سے دور دراز چھوٹے چھوٹے دیہات میں آباد ان پڑھ مفلس اور قلاش لوگوں پر مشتمل ہے۔ ملکی زبان، کلچر، تہذیب ایسے مسائل سے شمہ بھر دلچسپی نہیں۔ انہیں کھانے کیلئے روٹی۔ پہننے کے لئے کپڑا اور رہنے کے لئے مکان کی چار دیواری میسر نہیں۔ ایسی بے سروسامانی کی حالت میں اُن سے کلچر ایسی لطیف چیزوں پر بات چیت کرنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔ سب سے پہلے انہیں روٹی اور زندگی کی دیگر ضروریات میسر آنا چاہئیں۔ تہذیب و کلچر کی حفاظت کا سوال ابھی پیدا ہی نہیں ہوتا۔ جو لوگ 'کلچر' کی حفاظت کے لئے اُنکی فوری ضروریات۔ روٹی اور کپڑے۔ کا سوال معرض التوا میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ یقیناً ان غریب ان پڑھ باشندوں کے دشمن ہیں اور اُنکی جہالت کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اگر کلچر کا کوئی عنصر ہمارے بھوکے عوام کی زندگی میں ہے تو اس کی حفاظت اُنکی اقتصادی اور تعلیمی ترقی سے ہی ہو سکتی ہے انہیں دیگر علاقہ جات سے کاٹ کر پاکستان کے ڈبہ میں بند کر دینے سے نہیں۔ تاریخ کا مطالعہ اس بات کا شاہد ہے کہ دیگر فرقہ جات سے میل ملاپ سے کلچر کی نشو ونما ہوتی ہے اور سیاسی و سوشل نقطہ نظر وسیع ہوتا ہے۔ مصنوعی چار دیواری میں بند ہو جانے سے سماجک زندگی میں سڑاند پیدا ہوتا ہے اور 'کلچر' تنگ نظری و فرقہ پرستی میں مدغم ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہ کہنا کہ مسلم کلچر اور تہذیب کی حفاظت محض ملک کے حصے بخرے

کئے جانے سے ہی ہو سکتی ہے۔ ایک اور لحاظ سے بھی غلط معلوم دیتا ہے۔ تہذیب اور کلچر کا انحصار محض مذہب پر ہی نہیں بلکہ جغرافیائی حالات باہمی مشترکہ بود و باش ولین دین، مشترکہ زبان و حکومت وغیرہ وغیرہ امور کسی ایک علاقہ کے باشندوں کو خواہ وہ مختلف مذاہب سے ہی تعلق رکھتے ہو انہیں مشترکہ تہذیب و کلچر کے رشتہ میں باندھ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر بنگالی مسلمان تہذیبی طور پر مدراسی مسلمان کی بجائے بنگالی ہندو کے قریب تر ہے چونکہ وہ موخر الذکر کے ساتھ ایک ہی صوبہ میں مدت مدید سے رہتا رہا ہے۔ اور دونوں نے برسوں کی باہمی بود و باش و لین دین کے دوران میں بہت سے مشترکہ رسم و رواج ———— اختیار کر لئے ہیں اب جو سیاسی نظام بنگالی مسلمان کو بنگال کے ہندوؤں کی بجائے پنجابی یا سندھی مسلمانوں سے ملحق کرتا ہے وہ اس بنگالی مسلمان کی تہذیب کی حفاظت نہیں کرتا بلکہ اُسے ذبح کرتا ہے۔

ایک لمحہ کے لئے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ پاکستان کا قیام مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کے لئے ضروری ہے۔ تو بھی بلا تامل یہ کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم اس موقعہ پر پاکستانی غوغہ بلند کر کے ملکی آزادی کے سوال کو غیر معین عرصہ کے لئے معرض التوا میں ڈالنا ہندو اور مسلمان دونوں کے مفاد کے لئے انتہائی ضرر رساں ہے۔ فائدہ مند ہے تو دیسی حکومت کے لئے۔ تقسیم کا سوال پیدا کرنا ہی ہے تو مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ذمہ دار حکومت کے قیام اور آزادی کے حصول کے بعد یہ سوال اٹھایا

جائے تاکہ ہندوستان کی آزادی کا سوال ملتوی نہ ہو۔ نیز تیسری پارٹی کے سیاسی اکھاڑہ سے چلے جانے کے بعد سمجھوتہ آسان ترین ہوگا لیگی رہنماؤں کو اس بات کا یقین ہونا چاہیئے کہ دس کروڑ کی مارشل قوم کو کوئی اکثریت ہرگز ہرگز غلام نہیں بنا سکتی۔ اُنکے خدشات نہ صرف بے معنی ہیں بلکہ قبل از وقت بھی ایک طرف تقسیم شدہ ہندوستان کے بکھرے ہوئے ٹکڑے ہونگے (جو باہمی سیاسی خدشات اور درپردہ کدورتوں سے اور بھی کمزور تر ہو جائینگے۔) اور دوسری طرف افغانستان و روس ایسی طاقتوں کے حملہ کا خطرہ۔ تقسیم شدہ علاقہ جات انفرادی طور پر بیرونی طاقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور نتیجہ کے طور پر عین ممکن ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ بدبخت ملک دیگر ایشیائی طاقتوں کا غلام بن جائے اور ملک کی وہی حالت ہو جو انگریزوں کے آنے سے پہلے تھی۔

پاکستان کے قیام سے نہ صرف ملک کی اقتصادی اور سیاسی طاقت کم ہوگی بلکہ اگر اس خطۂ زمین کو جسے اب ہندوستان کا نام دیا جاتا ہے۔ دو یا اس سے زیادہ حصوں میں منقسم کرنے کے ارادے کامیاب ہوگئے تو ہندوستان کو متنبہ ہو جانا چاہیئے کہ اُس منحوس دن کے بعد آئے دن کے حدود بندی و دیگر مسئلوں پر سیاسی اور اقتصادی متنازعے مختلف خطوں کو ایکدوسرے سے برسرپیکار رکھیں گے اور متحدہ بود و باش اور بھائی بندی کا امن و سکون مفقود ہو جائیگا۔ عملی طور پر ان خطوں میں اگر جنگ نہ بھی ہو تو بھی احتیاطاً اُن سب کو حفاظت خود اختیاری میں کثیر فوجیں رکھنا پڑیں گے۔ اور اس

طرح سے اُن علاقوں کی بہت سی دولت اور طاقت محض بحالیٔ امن اور ذاتی حفاظت پر صرف ہوگی۔ اگر ہندوستان کی ایکتا قائم رہے تو یہ روپیہ اور طاقت بہترین قسم کی قومی تعمیر پر خرچ ہو سکتے ہیں۔

صرف یہی نہیں۔ حدود بندی اور تقسیم کے بعد ہر خود مختار خطہ اپنے ہمسایوں کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن زیادہ مستحکم اور محفوظ بنانے کے لئے باہر کی طاقتوں سے سیاسی ساز باز رکھے گا۔ اور اس طرح سے نہ معلوم طور پر بیرونی طاقتوں کو ان خطوں کے مابین کے معاملوں میں دسترس حاصل ہوگی۔ یہ دسترس آہستہ آہستہ بڑھکر قدرت کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔ گویا ہر خطہ اپنی پوزیشن کو مضبوط رکھنے کے لئے بیرونی طاقتوں کی امداد کا مرہونِ منت ہوگا۔ "نفاق پیدا کرو اور اقتدار قائم رکھو" کی پالیسی کے لئے جب تک ہندوستان میں گنجائش رہیگی یہ ملک ترقی نہیں کر سکتا۔

مندرجہ بالا دلیل کو سمجھنے کے لئے ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ یورپ کی و دیگر ممالک کی دورِ حاضرہ کی سیاسی فضا ہمارے سامنے ہے۔ اس کشمکش کے دور میں چھوٹی طاقتوں کے لئے اپنی ہستی قائم رکھنا بذاتِ خود ایک معمہ ہے۔ لہٰذا وہ کسی نہ کسی طور پر بڑی طاقتوں کے سایہ عاطفت میں آرہی ہیں۔ اس دور میں جبکہ جابر اور محیط طاقتوں کے سامنے چھوٹے ملکوں کو اپنی ہستی رکھنا مشکل معلوم ہوتا ہے ہندوستان جیسے ذی وقار، برِ اعظم نما ملک کے حصے بخرے کر کے اُسے مختلف خود مختار خطوں میں منقسم کرنا یقیناً سیاسی خودکشی کے مترادف ہوگا۔ جسکے خوفناک نتائج

سے اس وقت نہ مسٹر جناح اور انکے دائرہ کے افراد واقف ہیں اور نہ ہی موجودہ اقلیتوں کے محافظ حکمران۔ موخرالذکر اگر تقسیم کے خوفناک نتائج سے واقف بھی ہوں تو انکا فائدہ اسی میں ہے کہ ملک میں خود مختار مگر باہمی حریف، عناصر پیدا ہوں تاکہ انکی امن قائم رکھنے کی ذمہ داری بنی رہے اور وہ ظاہر یا در پردہ اپنا وقار و دسترس قائم رکھیں۔ حیف اُن ہندوستانی لیڈروں پر ہے جو فرقہ پرستی کے بھوت کے زیر اثر دور کے نتائج سے قطع نظر قریب کی ظاہریت پر فریفتہ ہو کر ملک کے حصے بخرے کرنے اور دو بڑی جماعتوں کے درمیان جو سالہا سال سے باہم امن و چین سے رہتی آئیں اب ہمیشہ کے لئے نفرت کے بیج بونے پر تلے ہوئے ہیں۔

ملکی تقسیم کا اقتصادی پہلو

پاکستان کے اقتصادی پہلو پر رائے زنی کرتے ہوئے ایک قابل مسلم مفکر سید انیس الرحمٰن اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں :۔
"مطالبہ پاکستان کی سب سے بڑی کمزوری اسکی مالی بدحالی ہے۔ عجیب خدا کی قدرت ہے کہ ہندوستان کے جن صوبوں میں مسلمانوں کو حقیقی اکثریت ہے۔ یعنی صوبہ سرحد اور سندھ۔ یہی صوبے اقتصادی اعتبار سے دیوالیہ ہیں۔ اور اپنی صوباتی حکومت کا خرچ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ انہیں اپنا کاروبار حکومت چلانے کے لیئے مرکزی حکومت کا دست نگر رہنا پڑتا ہے۔..... اس وقت تک سندھ کو مرکزی حکومت سے ایک کروڑ پانچ لاکھ اور صوبہ سرحد کو ایک کروڑ سالانہ کی رقم مل رہی ہے۔..... بلوچستان کی جو پوزیشن ہے وہ تو

سبھوں کو معلوم ہے۔ بس لے دیکر ایک صوبہ پنجاب ہی رہ جاتا ہے جسکی آمدنی تقریباً گیارہ کروڑ سالانہ کی ہے لیکن یہ رقم پنجاب جیسے صوبے کے اخراجات ہی کی مشکل سے کفالت کرتی ہے۔"

مجوزہ پاکستان میں صنعتی ترقی کے امکانات کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ پاکستانی علاقہ میں خام اشیا۔ لوہا۔ کوئلہ وغیرہ ۔ جو صنعتی ترقی کی بنیادیں ہیں کس قدر میسر آتی ہیں۔

اگر ہم ہندوستان کی سرزمین کا بہ حیثیت مجموعی جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ قدرت کو اس ملک کی تقسیم کسی حالت میں بھی مدنظر نہیں ہے۔ شمال میں گنگا اور سندھ کے وسیع اور زرخیز علاقے کاشت کے لئے موزوں ہیں اور جنوبی ہند کی سطح مرتفع اور بہار کے کچھ علاقہ جات میں وہ تمام خام معدنیات۔ (لوہا۔ کوئلہ۔ وغیرہ)۔ کثیر مقدار میں پائی جاتی ہیں جو کسی ملک کی صنعتی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہیں۔

مثال کے طور پر کوئلہ کی پیداوار کا ۸۹ فیصدی حصہ بہار کے علاقہ جات ۵ فیصدی ریاست حیدر آباد سے اور ۴ فیصدی کے قریب صوبہ متوسط سے دستیاب ہوتا ہے اور صرف $1\frac{1}{2}$ فیصدی کے قریب کوئلہ پاکستانی علاقوں سے نکلتا ہے۔ نیز یہ نہایت گھٹیا قسم کا ہوتا ہے۔ جو صنعتی ضروریات کے لئے کچھ ایسا کار آمد بھی نہیں۔

کوئلہ سے دوسرا نمبر لوہے کا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ہندوستان

میں تقریباً ۱۶ لاکھ اور ۲۵ لاکھ ٹن سالانہ کے درمیان لوہا نکالا جاتا ہے لیکن یہ تقریباً ساری مقدار صوبہ بہار، متوسط اور ریاست حیدر آباد کے علاقہ جات سے حاصل کی جاتی ہے۔ پنجاب۔ سندھ اور صوبہ سرحد میں لوہا بالکل نہیں ملتا۔ اور بنگال میں تھوڑی بہت مقدار جو ملتی ہے وہ بہت گھٹیا قسم کا ہوتا ہے۔ نیز نزدیکی پاکستانی علاقہ جات میں کوئلہ نہ مل سکنے کے باعث اُسے گلایا نہیں جا سکیگا۔

مینگنیز۔ یہ دھات ادویات اور فولاد وغیرہ کی چیزوں کی ساخت میں استعمال ہوتی ہے۔ دنیا میں روس کے بعد اس دھات کی پیداوار کے لحاظ سے ہندوستان کا نمبر ہے۔ صنعتی ترقی کے لئے یہ دھات بھی کوئلے اور لوہے کی طرح ضروری ہے۔ مجوزہ پاکستان کے کسی علاقہ میں یہ پیدا نہیں ہوتی۔ تقریباً تمام پیداوار صوبہ جات متوسط بہار اور مدراس سے دستیاب ہوتی ہے۔

متذکرہ بالا معدنیات کے علاوہ پٹرول جو موجودہ اقتصادی نظام کی اہم ترین چیز ہے اور جس کے حصول کے لئے دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں آپس میں جنگ پر آمادہ رہیں اور ہیں۔ مجوزہ پاکستانی علاقہ جات میں نہایت کم مقدار میں میسر ہو گا۔ ہم پاکستان و ہندوستان کے اقتصادیات سے متعلقہ کچھ اعداد و شمار نقشہ جات کی شکل میں نیچے درج کرتے ہیں۔

پاکستان میں معدنیات کی کمی۔ (۱۹۳۶ء کے اعداد سالانہ پیداوار)

	پاکستان میں	غیر پاکستانی علاقہ میں
کوئلہ	۱ لاکھ سوا ہزار ٹن	۲ کروڑ ۲۵ لاکھ ٹن

لوہا	۱۱ لاکھ سولہ ہزار ٹن	۲۵ لاکھ ٹن
پٹرولیم	۳۴ لاکھ گیلن	۲۳ کروڑ ۸۴ لاکھ گیلن
ابرک	-	۸۶ ہزار ہنڈرڈ ویٹ
مینگنیز	-	۶ لاکھ ۴۲ ہزار ٹن
چاندی	-	۶۰ لاکھ ۴ ہزار آؤنس ۔
سونا	۳۴ آؤنس	۳ لاکھ ۸۱ ہزار آؤنس

صنعت و حرفت میں پاکستان کی پسماندگی۔ (۱۹۳۶ء کے اعداد و شمار)

	پاکستان میں	غیر پاکستانی علاقہ میں
کپڑے کی ملیں	۹	۳۳۱
جوٹ	۰	۱۰۳
چینی	۹	۲۳۸
سلک	۲	۳۹
اون	۴	۶
ہوزری	۴۲	۷۹

مندرجہ بالا اعداد و شمار کے علاوہ ۔ ۱۹۳۹-۴۰ء کے تخمینے کے مطابق غیر پاکستانی صوبوں میں کارخانوں کی کل تعداد ۵۴۳۷ تھی اور پاکستانی علاقوں میں ۱۱۳۸ ۔ غیر پاکستانی علاقہ میں مزدوروں کی تعداد ۱۰۴۷۵۶۹ تھی اور پاکستانی علاقہ میں ۹۸۶۹۵ ۔

مندرجہ بالا علاقہ جات کے علاوہ بنگال کے اس خطے میں جو صنعتی

طور پر انتہائی ترقی یافتہ ہے ہندو اکثریت ہے۔ لہٰذا یہ خطہ اگر غیر پاکستانی علاقہ جات میں شامل کیا جائے (جسکے لئے معقول ترین وجہ یہی ہے کہ یہاں ہندو اکثریت ہے) تو پاکستانی علاقہ صنعتی طور پہ غریب تر رہ جاتا ہے۔ (متذکرہ بالا اعداد و شمار میں بنگال کے اس خطہ کے کارخانہ جات و مزدوروں کی تعداد نہ پاکستانی علاقہ میں شامل کی گئی ہے نہ غیر پاکستانی علاقہ میں۔) اسکے قابل یہ مد بھی قابل ذکر ہے کہ ۴۰-۱۹۳۹ء میں غیر پاکستانی صوبہ جات میں سوتی کپڑے کی مجموعی پیداوار چونسٹھ کروڑ ترانوے لاکھ اکسٹھ ہزار پاؤنڈ تھی اور پاکستانی علاقہ میں (پنجاب۔ بنگال اور سندھ) چھ کروڑ چودہ لاکھ اکہتر ہزار پاؤنڈ۔

مندرجہ بالا اعداد و شمار پہ مبنی مدلل دلائل سے لاجواب ہو کر پاکستان کے حامی اکثر یہ کہتے ہیں۔ کہ صرف پاکستان پر ہی کیا موقوف روئے زمین بہت سے ایسے علاقہ جات ہیں جنہوں نے باوجود معدنیات و دیگر خام اشیا کی عدم موجودگی کے صنعتی ترقی کی ہے۔ اور اپنی اس دلیل کے جواب میں وہ جاپان اور برطانیہ کی مثال پیش کرتے ہیں۔ کہ باوجود اس امر کے کہ برطانیہ میں خام زراعتی اشیا پیدا نہیں ہوتیں اور جاپان میں خام صنعتی معدنیات نہیں ملتیں اسکے باوجود ان دونوں ممالک نے ترقی کی۔

اس قسم کی دلائل دیتے وقت پاکستان کے حامی اس امر کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اگرچہ برطانیہ اور جاپان کے پاس متذکرہ بالا اشیا کی کمی ضرور تھی لیکن وہ اس کمی کو اپنی نو آبادیات سے پورا کرتے رہے ہیں سلطنت

برطانیہ کے زیر اثر اتنے وسیع علاقہ جات ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ ان پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ اور جاپان۔ چین کے زرخیز ترین حصوں پر قابض رہا ہے۔ لیکن "پاکستانیوں" کے پاس کونسے ایسے مقبوضات ہوں گے۔ جہاں سے وہ صنعتی ترقی کے لئے ضروری اشیا حاصل کریں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ "پاکستان" کا پڑوسی "ہندوستان" صنعتی اعتبار سے بہت ترقی یافتہ ہوگا۔ اور موخر الذکر علاقہ کی صنعتی اشیا کی کھپت کے لئے "پاکستان" کا علاقہ بہترین "منڈی" کا کام دیگا۔

چند منٹ کے لئے یہ فرض کر لیجئے کہ مجوزہ پاکستان کی "پاک زمین" کی سطح کے نیچے دولت کے انبار دبے ہوئے ہیں۔ وہاں لوہے کوئلے اور پٹرول کے بے اندازہ ذخیرے مدفون ہیں اور جونہی ملک کی تقسیم کی اسکیم زیر عمل آئیگی۔ اُسی روز قائد اعظم کے دائرہ کے کسی غیب دان کو الہام ہوگا اور اگلی صبح ان معدنیات کی کھدائی شروع ہو جائیگی اب اگلا سوال سرمائے کا ہے۔ افغانستان میں چند معدنیات کی کانیں دریافت ہوئیں لیکن سرمایہ کی وجہ سے انہیں بہتر طور پر کام میں نہیں لایا جا سکتا۔ اسی طرح ایران میں تیل کے ذخیرے موجود ہیں لیکن ان سے فائدہ یورپی اقوام اٹھا رہی ہیں بلکہ اُن ذخیروں کی موجودگی ایران کی سیاسی آزادی کے لئے خطرہ کا موجب بنی ہوئی ہے۔ لہذا یہ معلوم ہوا کہ غریب علاقہ جات کے پاس اگر خام اشیا موجود بھی ہوں تو سرمایہ کے بغیر بے کار ہیں۔

اس بات میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ سرمایہ کے لحاظ سے پاکستان کا علاقہ تقریباً مفلس ہوگا۔ معدنیاتی صنعتوں کی نشوونما تو خام معدنیات کی عدم موجودگی کی وجہ سے نہیں ہو سکتی۔ زراعتی صنعتوں کو فروغ سرمایہ کی کمی کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ باقی کیا رہا۔

چند لیگی رہنماؤں کا خیال ہے کہ وہ یورپی ممالک کو پاکستان میں سرمایہ لگانے کی دعوت دیں گے۔ لیکن ان لیگی رہنماؤں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یورپی سرمایہ دار ہر ایسے ملک میں سرمایہ لگانے سے احتراز کریں گے جسکے سیاسی نظم ونسق پر انہیں اقتدار حاصل نہ ہو۔ اور اگر وہ سرمایہ لگائیں گے تو آہستہ آہستہ سیاسی طاقت حاصل کرنے کے لئے دست اندازی شروع کردیں گے۔ عراق کے تیل کے چشموں پر برطانوی سرمایہ داروں کا قبضہ ہے اور عراق کی حکومت برطانوی ڈپلومیسی کے زیر اقتدار ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہندوستان کی مثال لیجیئے۔ برطانوی لوگ یہاں تجارت کی غرض سے آئے۔ اور تجارتی ضروریات کی بنا پر انہیں سیاسیات میں آنا پڑا۔ مقام افسوس ہے کہ لیگی لیڈروں نے تاریخ کے اوراق سے سبق نہیں سیکھا اور وہی غلطی پھر کرنے پر تلے ہوئے ہیں جسکی وجہ سے ہندوستان ڈیڑھ صد سال غلامی کی زنجیروں میں مبتلا رہا۔ آخر مسلم لیگی لیڈروں کو ہندو کے سرمایہ سے اسقدر خوف اور نفرت کیوں ہے اور یورپی سرمایہ میں ایسی کیا دلکشی ہے۔ انہیں یہ ذہن نشین کرلینا چاہیئے۔ کہ اگر ہندو سرمایہ داروں کی رقم صنعتی نشوونما میں لگیگی تو وہ محض اقتصادی برتری تک

ہی محدود ہو گی اور یورپی طاقتوں کا سرمایہ ہمیشہ کیلئے پاکستان کو اقتصادی زبردستی کے علاوہ سیاسی غلامی کے نرغہ میں لے جائیگا۔

اب مشینری کی ساخت کا سوال لیجیے۔ اول تو اس وقت ہندوستان نے بہ حیثیت مجموعی اسقدر صنعتی ترقی نہیں کی ہے کہ وہ مشینری بنا سکے (وجوہات خواہ کچھ ہی ہوں!)

اسکے بعد اگر کوئی وقت ایسا آیا جبکہ ہندوستان مشینری سازی کی پوزیشن میں ہو سکا تو وہ ہندو اکثریت کا علاقہ ہو گا مسلم اکثریت کا نہیں۔ چونکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ پاکستان میں کچی دھاتیں کمیاب ہونگی۔ اُسکے علاوہ سرمایہ کی کمی ہو گی۔ کچی دھاتیں اور سرمایہ دونوں میسر بھی ہوں تو بھی مشین سازی کے امکانات کم ہیں چونکہ مشینوں کی کھپت کا دائرہ بہت تنگ ہو گا جسکی وجہ سے انکی ساخت بہت مہنگی پڑیگی اور پاکستان میں بنائے جانے کی بجائے انہیں دیگر ممالک سے خریدنا سستا پڑیگا۔ یوں بھی صنعتی ترقی کی عدم موجودگی میں مشینوں کے استعمال کا امکان بھی بہت محدود رہ جائیگا۔ صنعتی ترقی کے لئے تربیت یافتہ مزدوروں کا ملنا بھی نہایت ضروری ہے۔ موجودہ ہندوستان کی بابت یہ پہلے ہی مشہور ہے کہ یہاں تربیت یافتہ عمدہ مزدور کمیاب ہیں اور صنعتی ترقی کے راستہ میں یہ بھی کسی حد تک ایک رکاوٹ ہے۔ اسکے باوجود جو تھوڑے بہت ہنرمند مزدور دستیاب ہو سکتے ہیں وہ بمبئی۔ احمد آباد۔ کلکتہ۔ کانپور ایسے تجارتی مرکزوں میں ہیں اور یہ سب مرکز غیر پاکستانی علاقہ میں شامل ہونگے۔ لہٰذا!

یہ معلوم ہوا کہ پاکستان میں تربیت یافتہ مزدور بھی کم حاصل ہونگے۔

اور پھر صنعتی ترقی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسی منڈیاں قریب ہوں جہاں مال کی کھپت ہو سکے۔ تمام ہندوستان میں عوام کی اقتصادی حالت اتنی کمزور ہے کہ صنعتی اشیا کی کھپت کے لئے بہت کم امکانات ہیں۔ اور پھر تمام ملک کے ایک چھوٹے سے خطے۔ پاکستان۔ میں ان اشیا کی کھپت اور فروخت کے امکانات نسبتاً اور بھی کم ہونگے۔

ادھر مجوزہ ہندوستان چونکہ صنعتی طور پر پاکستان سے زیادہ ترقی یافتہ ہوگا لہذا وہاں پاکستان کی ساختہ اشیا کی فروختگی کے امکانات بہت کم ہیں اور اسکے علاوہ غیر پاکستانی علاقہ جات میں ایسے خطے بھی شامل ہونگے جہاں اناج اور دیگر ایسی خام اشیا کافی مقدار میں پیدا ہونگی۔ لہذا یہ ثابت ہوا کہ جہاں صنعتی پہلو سے غیر پاکستانی علاقہ، پاکستانی علاقہ سے زیادہ ترقی یافتہ ہوگا وہاں زراعتی نقطہ نظر سے بھی اول الذکر موخرالذکر کا محتاج نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمیں تو یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں پاکستان کی رہی سہی انڈسٹری بھی ختم نہ ہو جائے۔ اس وقت لودھیانہ امرتسر۔ دھاریوال کے اونی کپڑے لوئیاں کمبل۔ قالین۔ ہوزری وغیرہ سیالکوٹ کے اسپورٹ کے سامان ---------- اور کشمیر کے شال وغیرہ سارے ہندوستان کے بازاروں میں بکتے ہیں لیکن تقسیم کے بعد دو ملک ہو جانے پر یہ صورت بھی باقی نہ رہیگی"۔

(سید انیس الرحمٰن)

نیگی منفکروں کی رہی سہی اُمید اسبات پر ہے کہ وہ غیر پاکستانی علاقہ سے

آمدہ مال پر ٹیکس بھی تو لگائیں گے اور یہ ٹیکس انکی آمدنی کا ذریعہ ہو گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ پاکستانی علاقہ کو باہر سے آنے والے مال پر ٹیکس لگانے کا حق حاصل ہو گا لیکن اسکے معنی یہ ہوئے کہ پاکستانی علاقہ کی اندرونی صنعت نہایت ہی مہنگی قیمتوں پر نشو و نما پائیگی۔ اور ضروری نہیں کہ وہ بالآخر باہر سے آمدہ اشیا کا مقابلہ کرنیکے قابل ہو سکے۔ نیز جہاں پاکستانی علاقہ کو باہر سے آمدہ اشیا پر ٹیکس لگانے سے آمدن ہو گی وہاں انہیں اس مال کی قیمت بھی تو ادا کرنی ہو گی جو ٹیکس سے بیسیوں گنا زیادہ ہو گی جیسے سو کروڑ روپیہ ادا کر کے۔ پانچ کروڑ کے ٹیکس پر بغلیں بجانا کہاں کی عقلمندی ہے۔؟

پچھلے صفحات میں ہمنے پاکستان کے حامیوں اور مخالفوں کے نظریے بیان کیے۔ اور پاکستان کے حق میں و خلاف دی گئی دلائل کی وضاحت اور ان پر مختصر سا تبصرہ کیا۔ مندرجہ ذیل سطور میں ہم پاکستان کے زیرِ سطح نظریات کی چھان بین کریں گے۔

اگر موجودہ ترقی پسند سیاسیات کے بنیادی اصُولوں کی روشنی میں پاکستان کی حمایت میں پیش کردہ دلائل اور اِس سے متعلقہ تحریک کے بنیادی اصُولوں و اسباب کو بہ نظرِ تحقیق دیکھیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ پاکستان کا مطالبہ دقیانوسی سیاسی نظریہ اور غلط فلسفہ حیات کی پیدا وار ہے۔

پاکستان کے حامی اپنی دلائل کی بنیاد اس سچائی پر قائم کرتے ہیں کہ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں جنکے سیاسی۔ اقتصادی اور سماجک مفاد ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں بلکہ متضاد ہیں۔
انکی یہ دلیل واقعات کی روشنی میں غلط معلوم دیتی ہے۔ جیساکہ پچھلے صفحات میں یہ بات واضح کی گئی ہے ہندو اور مسلمان دو قومیں نہیں بلکہ ایک ہندوستانی قوم کے دو مذہبی فرقے ہیں۔
افراد کی ایک بہت بڑی تعداد تب ہی قوم کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے۔ جبکہ

۱- وہ سب لوگ مشترکہ طور پر ایک علیحدہ جغرافیائی خطے میں بود و باش رکھتے ہوں۔

۲- وہ سب باہمی نظم و نسق کے رشتہ میں منسلک ہوں اور یونہی بے ترتیبی اور غیر منظم حالت میں بکھرے ہوئے نہ ہوں۔

۳- ان کے درمیان مشترکہ زبان۔ مشترکہ حکومت۔ مشترکہ اقتصادی تعلقات لین دین۔ مشترکہ تہذیب و کلچر ایسے رشتے قائم ہوں۔ مشترکہ مذہب جملہ رشتوں میں سے جو افراد کے ایک گروہ کو مشترکہ قومیت میں منسلک کرتے ہیں صرف ایک رشتہ ہے۔ نہ مذہبی بذات خود قومیت کا ہی دوسرا نام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ میں بے شمار چینی اور جاپانی آباد ہیں جو بدھ مت سے تعلق رکھتے ہیں اور اسکے باوجود وہ عیسائی اکثریت پر مشتمل امریکن قوم میں شمار ہوتے ہیں۔ اگر مذہب ہی قومیت

کا معیار ہوتا تو بے شمار چینی اور جاپانی جو ہم مذہب ہیں۔ ایک قوم ہوتے اور جرمن وانگریز جو ہم مذہب۔ عیسائی۔ ہیں ایک ہی قوم میں شمار کئے جاتے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ قومیت کا معیار مذہب نہیں بلکہ بہت سے سیاسی۔ اقتصادی۔ مجلسی اور دیگر اثرات ہیں جو کسی علاقہ میں آباد افراد میں قومیت کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ سیاسی طور پر ہندوستان کے ہندو و مسلم ایک ہی گورنمنٹ کے زیر حکومت ہیں۔ وہ ایک ہی جغرافیائی خطہ۔ ملک ہندوستان۔ میں رہتے ہیں۔ بیرونی ممالک سے لین دین و سیاسی تعلقات کے پیش نظر انکے سیاسی مفاد مشترکہ ہیں۔ مختلف حصوں میں آباد ہندو و مسلمانوں نے صدیوں کی مشترکہ بودوباش کے دوران میں ایک دوسرے کے رہن سہن۔ زبان رسوم ورواجات کو اپنا لیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ بنگالی ہندو و بنگالی مسلمان میں تمیز نہیں کر سکتے لیکن مدراسی ہندو و پنجابی ہندو کے درمیان فرق فوراً بھانپ لیں گے۔

پاکستان کے حامیوں کی دوسری بنیادی دلیل یہ ہے کہ مذہب کی بنا پر ملک کی تقسیم ہی تمام فرقہ دارانہ جھگڑے مٹا سکتی ہے۔

بلاشبہ سیاسی یا اقتصادی ضروریات کے پیش نظر مشروط حالات میں تقسیم جائز گردانی جا سکتی ہے۔ لیکن محض مذہب کی بنا پر ملک کی تقسیم کا مطالبہ انتہائی دقیانوسی اور فرسودہ سیاسی نظریے کا آئینہ دار ہے بیسویں صدی سیاسی۔ اقتصادی و سماجک ترقی کا دور سمجھا جاتا ہے۔ موجودہ دور کے انقلابی نوجوان اول تو ویسے ہی مذہب اپنے عہد ماضی کے

کھنڈر سے دور جا رہے ہیں۔ اور جس حد تک مذہب کی بقا ضروری تسلیم کی گئی ہے وہاں دن بدن یہ ایک ذاتی اور انفرادی معاملہ بنا رہا ہے جسے سیاسیات و اقتصادیات سے شمہ بھر تعلق نہیں۔ موجودہ جماعتی و ملکی تعلقات سیاسی۔ اقتصادی اور مجلسی ہیں مذہبی نہیں۔ عربوں اور ترک کی مسلمانوں کا مذہب ایک ہے لیکن ملک ایک نہیں۔ حکومت ایک نہیں۔ اقتصادی مفاد مختلف ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ اُنکا کلچر بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

دلیل کے طور پر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں۔ تو بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُنکے مختلف مفاد کی حفاظت کے لئے ملک کی تقسیم ضروری ہے۔ اُنکے مفاد بھی ایک دوسرے سے مختلف سہی لیکن ملکی تقسیم ہی ان مفاد کی حفاظت کا واحد ذریعہ نہیں ہے باہمی سمجھوتہ۔ رواداری۔ ہمدردی۔ ایثار۔ یہ سب چیزیں فی الحال حضرت آدم کی اولاد کے دل سے ناپید نہیں ہوئیں۔ مختلف گروہوں کے نمائندے ایک گول میز کے گرد بیٹھ کر پر امن طور پر ایک باہمی تصفیہ طے کر سکتے ہیں جس سے فریقین کے مفاد بھی محفوظ رہیں اور ملک بھی حصے بخرے کئے جانے سے بچ جائے۔ آخر ہندو۔ مسلمان و دیگر فرقے پچھلے ہزار سال سے اکٹھے رہتے آئے ہیں۔ وہ کون سے ایسے مفاد ہیں۔ جو ابھی پچھلے پانچسال کے دوران میں پیدا ہو گئے اور جنکی حفاظت بغیر تقسیم کے ناممکن نظر آتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے فرقہ دارانہ جھگڑے کے خاطر خواہ حل کے لئے تقسیم کے اصول پر مبنی پاکستان۔ خالستان۔ اچھوت استان۔ راجستان ایسے خطوں کا قیام ضروری نہیں بلکہ تمام ہندوستانیوں کے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا سکھ کے بنیادی سیاسی نظریہ میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔

تمام ہندو اور مسلم غریب کسانوں اور فاقہ کش مزدوروں کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان نہیں بلکہ سرمایہ دار اور مزدور دو قومیں آباد ہیں۔ غریب اللہ دتا کسان۔ قلاش رام بھروسے مل مزدور۔ نادار جسونت سنگھ مستری ان تینوں کے مذہب علیحدہ علیحدہ سہی لیکن انکے مفاد مشترکہ ہیں۔ اسکے مقابلہ میں اللہ دتا کسان اور نواب ممدوٹ کا مذہب ایک ہے لیکن اقتصادی مفاد جداگانہ ہیں اللہ دتا کسان۔ رام بھروسے مل۔ اور جسونت سنگھ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور اللہ دتا اور نواب ممدوٹ ایک دوسرے کے حریف ہیں۔ ادھر تعلقہ دار نواب ممدوٹ۔ رائے بہادر سیٹھ کروڑی مل کارخانہ دار۔ اور سر دار بہادر کرم سنگھ رئیس و بنیکر۔ انکے مفاد مشترکہ ہیں ہندوستان کے کروڑہا ان پڑھ اور جاہل مزدور اور کسان خطاب یافتہ نوابوں اور خان بہادروں کی سیاسی شعبدہ بازیوں کا شکار ہو کر ایک دوسرے کا گلا گھونٹنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ ہندوستان کے کروڑہا مزدوروں اور کسانوں کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ انکی اقتصادی مشکلات کا حل

پاکستان و ہندوستان کی مجوزہ تقسیم کی سکیموں سے نہیں ہوگا بلکہ اُنکے دکھ کا علاج موجودہ ملوکیت پرستی پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام کے انسداد میں ہے۔ جب تک سرمایہ داری کا نظام قائم ہے پاکستان کے مزدور اللہ دتا اور ہندوستان کے قلی رام بھروسے کو روٹی نصیب نہیں ہوگی۔ اُنکے بچے اسی طرح بلک بلک کر بھوک اور بیماری کا شکار ہوتے رہیں گے۔ ان کے لئے صحت و رہائش و خاطر خواہ علاج کا انتظام نہیں ہوگا۔

ہندوستان کے مفلس اور قلاش سادہ لوح کسانوں اور مزدوروں پر یہ امر روز روشن کی طرح آشکار ہو جانا چاہیئے کہ ہندوستان کے ۹۵ فیصدی ہندو مسلم وسکھ عیسائی عوام کی مشترکہ مشکلات کا حل خطے کی تقسیم سے نہیں بلکہ ملوکیت پرست اور سرمایہ دارانہ نظام حکومت کو بدل کر اسکی جگہ مزدوروں کی گورنمنٹ قائم کرنے سے ہوگا۔

نواب ممدوٹ اگر پاکستان کا نعرہ لگاتا ہے۔ تو اس لئے نہیں کہ اُسے مسلمان مزدور کے بچوں سے ہمدردی ہے بلکہ اسلئے کہ اس اسلامی خطے میں وہ اپنے 'ہم زلف' نوابوں سے ملکر اپنی زمینیں برقرار رکھ سکیگا قاضی...... اگر پاکستان کی تعریف میں قصیدہ گوئی کرتا ہے تو اسلئے کہ مجوزہ علاقہ میں اسکی مذہبی برتری قائم رہیگی اور غریب ان پڑھ مسلمانوں کو بدھو بنانے میں کچھ عرصہ اور کامیاب رہیگا۔

یہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ ہندوستان میں ۹۵ فیصدی عوام اَن پڑھ

اور جاہل ہیں۔ جنہیں مذہب کے نام پر نہایت آسانی سے ورغلایا اور برانگیختہ کیا جا سکتا ہے۔ انہیں مزدوروں کی حکومت اور سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی اختلاف معلوم نہیں۔ غربت۔ قلاشی۔ غلامی اور توہم پرستی کے بوجھ کے نیچے وہ کچھ ایسے دبے سے ہیں کہ انہیں اپنے آپ تک کا ہوش نہیں۔ کسی ایک نے کہا پاکستان زندہ باد تو سب نے ملکر ہاں میں ہاں ملائی "زندہ باد"۔ ادھر کسی نے کہا اکھنڈ ہندوستان زندہ باد تو جھٹ کہہ دیا "زندہ باد"۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ "پاکستان" اور "اکھنڈ ہندوستان" یہ کیا بلائیں ہیں۔ اگر ہندوستان کے عوام پڑھے لکھے اور باہوش ہوتے تو ملک کے سرمایہ دار نوابوں اور خان بہادروں کو انہیں ورغلانے میں اتنی کامیابی نہ ہوتی جتنی آج نظر آرہی ہے۔

دو قوموں کا منطق

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان ایک برِاعظم ہے جسمیں ہندو اور مسلمان دو قومیں آباد ہیں۔ سرسری نظر سے دو قوموں کا خیال کتنا ہی بے عذر نظر کیوں نہ آئے مگر ہمیں اس منطق کے خوفناک نتائج سے آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں۔ آجکل کی دنیا میں نشر و اشاعت کے ذرائع اس قدر وسیع ہیں کہ ایک ہی بات کو بار بار دہرانے سے اُسے کروڑوں لوگوں کے ذہن کا مستقل حصّہ بنانا ممکن ہے۔ جرمنی کی مثال ہمارے سامنے ہے ۱۹۲۳ء میں لوگ جن باتوں کو مضحکہ خیز خیال کر کے مسکرایا کرتے تھے۔ ۱۲ سال بعد وہی مسلّمہ سیاسی اصُول بن گئیں۔ یہیں تک نہیں۔ انہیں اصولوں کی بنیاد پر ایک عظیم الشان نظام تعمیر ہوا جس نے دُنیا کے امن کا گلا گھونٹ دیا۔

یہ حال تو اُس قوم کا ہے جو دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کی صف اوّل میں رہی ہے۔ جہاں عام لوگوں کا معیارِ تعلیم اور تمدن بہت بلند تھا۔ نازیوں نے بہت قلیل عرصہ میں اسبات کا پرچار کر کے کہ جرمن قوم آریہ نسل سے ہے اور آریہ نسل باقی سب نسلوں سے برتر ہے اپنی طاقت اسقدر مستحکم کر لی کہ جرمنی کے عوام مکمل طور پر اُنکے پیچھے ہو گئے۔ یہ عین قدرتی تھا کہ اِس فلسفہ کا نتیجہ خونریز جنگ ہو۔ چنانچہ وہ وحشتناک جنگ ہوئی جسکی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ جنگ کے شعلے یورپ تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ سارے ایشیا کے لوگوں کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ اِسی طرح ہندوستان سے متعلق دو قوموں کا منطق صرف اس ملک کے عوام کی زندگی پر ہی اثر انداز نہیں ہوگا۔ بلکہ ساری دنیا کے اَمن اور سیاسیات پر گہری چھاپ چھوڑے گا۔

پاکستان اور دوسری سکیمیں جن کا منشا تقسیم ہندوستان ہے اِسی خیال کی بنیاد پر کھڑی کی گئی ہیں کہ مسلمان ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں۔ مذہب کو لوگوں کی زندگی میں اِسقدر گہرا دخل ہے کہ صرف اِسی پر قوم کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ ابھی تک تو مسلمان غلط فہمی میں مبتلا رہے جو اپنے آپ کو اقلیت اور فرقہ کے نام سے منسوب کرتے رہے۔ آج وہ اصلیت کو پہچان گئے ہیں۔ اُنہیں پتہ لگ گیا ہے کہ وہ ایک قوم ہیں۔ جناح صاحب فرماتے ہیں۔

"کانگرس کی تجاویز میں اقلیتوں کا ذکر و اذکار ایک دھوکا ہے

کانگرس ۹ کروڑ مسلمانوں کو بھی دوسرے چھوٹے موٹے گروہوں کی طرح ایک اقلیت قرار دیتی ہے۔ دوسری جانب مسلمان قوم ہونیکا دعوےٰ کرتے ہیں اور اُنکا یہ دعوےٰ بالکل صحیح ہے۔" صدیوں مسلمانوں کو خیال نہ آیا کہ وہ بھی ایک قوم ہیں۔ آج انہوں نے اس حقیقت کو محسوس کرلیا ہے اور کسی بھی دوسری قوم کے طابع رہنے کو تیار نہیں۔ ایک قوم دوسری قوم کا جز بن کر نہیں رہ سکتی اور نہ ہی اپنی ہستی کو کسی دوسری قوم کے وجود میں مدغم کر سکتی ہے۔ لہذا مسلمان اپنی آزاد حکومت قائم کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔

"ہندو اور مسلمان کیسے ایک قوم ہو سکتے ہیں؟ اِنکا مذہب۔ تمدن تاریخی روایات۔ زبان۔ سماجک رواج اور فطرت الگ الگ ہیں۔ پھر یہ دونوں ایک قوم بن کر ایک حکومت کے تابع کیونکر رہ سکتے ہیں؟ دونوں میں نہ کبھی اتحاد ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ ہندوستان میں تمدن زبان۔ سماج۔ مذہب کسی بھی اعتبار سے یکسانیت نہیں۔ کچھ لوگوں کی پرستشگاہیں تک اس ملک سے باہر ہیں اسلئے اِس ملک کی سرزمین سب باشندوں کیلئے "متبرک خطہ" کا درجہ نہیں رکھتی۔ آخر ایک قومیت کی بنیاد کن مشترکہ جذبات پر رکھی جائے؟

"ہندوستان ایک ملک نہیں ایک براعظم ہے۔ اِسکا رقبہ ۱۸ لاکھ مربع میل سے زیادہ ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے کا فاصلہ ۲ ہزار میل کے لگ بھگ ہے۔ اگر یورپ سے روس نکال دیا جائے تو

آبادی اور رقبہ کے اعتبار سے ہندوستان یورپ سے بڑا ہے۔ آج یورپ میں کتنی ہی قومیں آباد ہیں سب کی زبان اور تمدن الگ الگ ہے۔ یورپ ۲۵ قوموں کی آزاد حکومتوں کا گھر ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی کتنی ہی قومیں آباد ہیں۔ ہندو اور مسلمان ان میں سب سے بڑی ہیں، مشترکہ بات تو صرف یہی ہے کہ یہ سب ہندوستان کی حدود میں آباد ہیں۔ مگر ہندوستان کو ایک ملک کہنا غلطی ہے۔ اگر ہندوستان بھی دوسرے ممالک کی طرح چھوٹا سا ملک ہوتا تو یہاں کے لوگ گھل مل کر ایک قوم بن جاتے۔ ہندوؤں، مسلمانوں اور انگریزوں کسی کے راج میں بھی ہندوستان ایک ملک نہیں رہا۔ پرانے زمانے کے ہندو راجاؤں کے جھگڑے تو سب کو معلوم ہیں۔ آریوں کی حکومت پنجاب تک رہی۔ اور بھارت ورش کے پاؤں بندھیاچل کے پہاڑ کو عبور نہیں کر سکے۔ مغلوں کے دور میں بھی یہ ملک تین خطوں میں منقسم رہا۔ گنگا جمنا کا میدان، سندھ اور دکن۔ آج بھی ہماری رشتہ داری یہی ہے کہ ہم پر ایک سامراج کی نوکرشاہی حکومت کرتی ہے ورنہ ۵ سو سے زائد دیسی ریاستیں اپنے طور پر خود مختیار ہیں۔ موجودہ سیاسی وحدانیت تو سطحی چیز ہے۔ یہ ہمارے سروں پر زبردستی ٹھونسی ہوئی ہے کیونکہ موجودہ سیاسی نظام کا رائے عامہ سے دور کا بھی ناطہ نہیں۔ اگر نیپال۔ بھوٹان۔ لنکا اور برہما ہندوستان سے الگ ہو سکتے ہیں تو شمال مشرقی اور شمال مغربی خطہ جات کیوں علیحدہ نہیں

ہو سکتے۔

"ہندو مت اور اسلام محض مذاہب نہیں بلکہ مکمل فلسفے ہیں جو زندگی کے تمام شعبوں پر پوری طرح چھائے ہوئے ہیں۔ کھانا پینا۔ لباس۔ شادی۔ غرضیکہ انسانی زندگی کا ہر کام اُنکے طابع ہے ہندو بُت پرست ہیں تو مسلمان وحدانیت کے علمبردار اور بُت شکن ہندو ذات پات میں یقین رکھتے ہیں تو مسلمان برادری کے حامی۔ ہندوؤں کی زبان سنسکرت اور ہندی ہے تو مسلمان عربی۔ فارسی اور اردو کے فدائی ہیں۔ ہندو اور مسلمان صدیوں سے ساتھ ساتھ مخلوط گاؤں اور شہروں میں آباد چلے آتے ہیں۔ مگر پھر بھی دونوں کے مابین بھائی بندی کا نشان تک نہیں۔ قرآن اور ہندو مت دونوں کا فرمان ہے کہ ملت اور ذات سے باہر شادی نہ کی جائے۔ یہانتک کہ ہندو اور مسلمان ایک ساتھ میز پر بیٹھ کر اکٹھا کھانا بھی نہیں کھا سکتے یہ تفرقہ بازی گھٹنے کی بجائے دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندی سنسکرت کا رنگ اختیار کرتی جا رہی ہے اور اردو فارسی زبان کا۔ کانگریس کو بھی آخر دونوں رسم الخط تسلیم کرنے پڑے"۔

دو قوموں کی منطق کی علمبردار اکیلی مسلم لیگ ہی نہیں بلکہ ہندو مہاسبھا بھی ہے۔ ۱۹۳۷ء میں احمد آباد مہاسبھا اجلاس کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر ویر دامودر ساورکر نے فرمایا۔ موجودہ ہندوستان کو ایک قوم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس ملک میں دو قومیں آباد ہیں ہندو

اور مسلمان -

مسلم لیگ اور ہندو مہا سبھا دو قوموں کی تھیوری کا ہی دم نہیں بھرتیں۔ بلکہ یہ بھی اعلان کرتی ہیں کہ اگر ملک میں کوئی قومی تحریک ہے تو ان دونوں کے دم سے ہے چنانچہ ۱۹۳۸ء اکتوبر میں سندھ مسلم لیگ کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے جناح صاحب نے فرمایا۔ کوئی دیانتدار آدمی جس نے مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کا بغور مطالعہ کیا ہے سچائی سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسلم لیگ پورے طور پر قومی اور ترقی پسند انجمن نہیں ہے۔ اُدھر ناگپور اجلاس میں ہندو مہاسبھا نے ریزولیوشن پاس کیا کہ ملک میں ایک ہی قومی جماعت ہے۔ اور وہ ہندو مہاسبھا ہے -

ڈاکٹر امبیدکر کہتے ہیں:۔ قومیت کے جذبہ کے دو رُخ ہیں - اپنی قوم کے افراد سے پیار دوسری اقوام کے لوگوں کو غیر خیال کرنا۔ کیونکہ مسلمان ایسا محسوس کرتے ہیں اسلئے وہ علیحدہ قوم ہیں۔ دونوں فرقوں کی تاریخی روایات الگ الگ ہیں۔ ہندو پرتھوی راج - رانا پرتاپ۔ سیواجی اور بیر بیراگی کو قومی ہیرو خیال کرتے ہیں جو کہ اپنے ملک کی عزت اور آزادی کے لئے لڑے (مسلمانوں کے خلاف) اسکے برعکس مسلمان محمد بن قاسم اور اورنگ زیب کو بے حد عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دونوں کی مذہبی کتب الگ الگ ہیں۔ ایک طرف رامائن۔ مہابھارت اور گیتا کا پرچار ہے تو دوسری طرف قرآن اور حدیث

گا۔ غرضیکہ اتحاد کی بجائے تقسیم کی وجوہات زیادہ زور دار ہیں۔
غیر ملکی سامراج سینکڑوں سالوں سے ہندوستان میں تسلط جمائے
ہوئے ہے۔ اس عرصہ میں ہندو اور مسلمان متحد ہونیکی بجائے ایک دوسرے
سے زیادہ دور ہو گئے ہیں۔ جو تھوڑی بہت یکسانیت نظر آتی ہے
وہ محض اتفاقیہ ہے یا یوں کہیں کہ مشترکہ ماحول کی پیداوار ہے۔ یہ
اس لئے معرض وجود میں نہیں آئی کہ ہندو اور مسلمان اتحاد کے لئے
کوشاں تھے۔ اکبر اعظم نے دونوں مذاہب کو ایک دوسرے کے قریب
لانے کی کوشش کی جو اُسکے دم کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔

دو قوموں کی منطق کی علمبردار۔ دو بڑی انجمنیں مسلم لیگ اور ہندو
مہاسبھا دلائل تو تقریباً ایک ہی قسم کی دیتی ہیں مگر نتائج بالکل مختلف
نکالتی ہیں۔ لکھنؤ لیگ نے اکتوبر ۱۹۳۷ء میں تہیہ کیا کہ اردو کو سارے
ہندوستان کی زبان بنانے کیلئے ہر ممکن کوشش کرے گی۔ مہاسبھا
نے ناگپور اجلاس دسمبر ۱۹۳۸ء میں فیصلہ کیا کہ ہندوستان کی قومی
زبان سنسکرت سے منسلک ہندی ہے جسکا رسم الخط دیوناگری
ہے۔

سودیشی کا نعرہ بھی فرقہ داری کی بھینٹ چڑھ گیا۔ سندھ مسلم لیگ
کانفرنس ۱۹۳۸ء نے مسلم عوام کو اپیل کی کہ صرف مسلمان جلاہوں کا
تیار شدہ کپڑا استعمال کریں۔ نیز زندگی کی دیگر ضروریات بھی صرف
مسلمان تاجروں اور دکانداروں کے ذریعہ حاصل کریں۔ ناگپور اجلاس

۱۹۳۵ء میں مہاسبھا نے ہندوؤں کے نام اپیل کی کہ صرف ہندو دکانداروں سے سودا خریدا جائے۔ کیوں نہ ہو جب دو قومیں ہی ٹھہریں تو ایک دوسرے کا مکمل اقتصادی بائیکاٹ کیوں نہ کیا جائے!

ہندوستان میں رائج جمہوریت بھی عجب ہے۔ اسکی بنیاد فرقہ وارانہ انتخاب پر ہے۔ نتیجہ یہ کہ ہندو اکثریت والے صوبجات میں مسلمانوں کو شکایت ہے کہ اُن پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں اور مسلم اکثریت والے علاقوں میں ہندو شور وغوغا کر رہے ہیں کہ مسلمان ہندوؤں کو بھکاری بنانے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ناگپور اجلاس کی صدارت فرماتے ہوئے مسٹر ساورکر نے اعلان کیا۔

'جب ہم مسلمانوں سے انتقام لینے کی پوزیشن میں ہونگے تو مسلمان ایک دن میں ہوش میں آ جائیں گے۔ ہم صرف ہندو صوبجات میں ہی ہندو حقوق کی حفاظت نہیں کریں گے بلکہ اُن صوبوں میں بھی جہاں ہندو اقلیت میں ہیں۔ ہمیں پکا یقین ہے مسلمانوں کا ظلم اُن پر ہی قہر ثابت ہوگا جسکا اثر سارے ہندوستان کے مسلمانوں پر پڑے گا۔ مسلمانوں کو اچھا برتاؤ کرنے کا سبق سیکھنا ہی ہوگا۔

جناح صاحب کا جواب ملاحظہ ہو۔

'غیر مسلم اقلیتوں کے مذہب۔ زبان اور تمدن کی حفاظت اُسی طرح کی جائے گی جسطرح ہندو انڈیا میں مسلم اقلیتوں کی۔ پھر ہندو مسلم حکومتوں کو ناجائز طور پر تنگ نہیں کریں گے کیونکہ اُنہیں خدشہ ہوگا

کہ کہیں ہندو انڈیا میں مسلمان بھی ویسا ہی قدم نہ اُٹھائیں۔
اِدھر ہندو قوم یہ بات برداشت کرنے کو تیار نہیں کہ ہر مسلمان کو ۳ ووٹ حاصل ہوں اُدھر مسلمانوں کو گلہ ہے کہ اُنکے مقابلہ میں ہندو ووٹوں کی تعداد ۳ گنا ہے۔
ہندو قوم کے دعویداروں کو ہندو ریاستوں کا فکر دامنگیر ہے تو مسلم قوم کے حامیوں کو مسلمان راجاؤں کی ریاستوں کا غم کھا رہا ہے ہندو مہاسبھا کشمیر۔ ٹراونکور اور جے پور ریاستوں کی نگہبان ہے تو مسلم لیگ حیدر آباد اور بھوپال کی ہمدرد۔
حیران کن بات تو یہ ہے کہ دو قوموں کی منطق میں یقین رکھنے والی یہ دونوں انجمنیں بجائے اِسکے کہ آپس میں گتھم گتھا ہوں یا ہندوستان میں حکمران طاقت سے دو دو ہاتھ میں اپنی ساری طاقت کانگرس کو بدنام اور برباد کرنے میں صرف کرتی ہیں۔ اگر واقعی اِنہیں اپنی قومیت کا اسقدر زعم ہے تو کیوں انہیں غاصب کو ہندوستان سے اکھیڑ پھینکتیں؟
"آیا ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں یا ایک ہی ہندوستانی قوم کے دو مذہبی فرقے" اس مسئلہ کا ہمنے اس کتاب میں کسی دوسری جگہ تجزیہ کیا ہے۔

کون کیا کہتا ہے

لوئز فیشر (Louis Fischer)

" پاکستان ' ایک مفلس - قدامت پسند - اور زمینداروں کے زیر حکومت علاقہ ہوگا - پاکستان ایران ثانی ہوگا - میں یہ تو سمجھ سکتا ہوں کہ بڑے بڑے مسلم زمیندار کیوں اسکا مطالبہ کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھ سکتا کہ مسلم کاشتکاروں - پڑھے لکھے لوگوں اور تجارت پیشہ مسلمانوں کے پاس پاکستان کی حمائت کے لئے کیا وجوہات ہیں . . . . .

دو ہندوستان تمام دنیا کے لئے سینکڑوں تکلیفوں کے باعث ہونگے تقسیم اور آپس کی ناچاقی سے ہندوستان کمزور ہو جائیگا اور یورپ اور چین کی طرح ہندوستان بھی بڑی بڑی طاقتوں کے درمیان باہمی

(سیاسی و اقتصادی) رسہ کشی کا میدان بن جائیگا۔

مشہور انگریز مصنف مسٹر ایچ۔ ایس۔ بریلسفورڈ (M. H. S. Brailsford)

"پاکستان ایک ناقابل عمل اسکیم ہے۔ اسکے شمال مغربی اور مشرقی۔ دو خطوں کے درمیان ایک بہت وسیع علاقہ 'ہندوستان' کا ہوگا۔ ایسے دور افتادہ کی متحدہ حکومت کا قیام فوجی نظم و نسق کے تمام اصولوں کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ دونوں علاقوں کو علیحدہ علیحدہ فوجیں رکھنا پڑیں تو فوجی اخراجات بے اندازہ بڑھ جائیں گے۔ تمام برطانوی فوجیوں کا خیال ہے کہ جب تک ہندوستان کی تمام فوج ایک متحدہ کمان کے زیر سرکردگی نہ ہوگی۔ امن کا قیام ناممکن معلوم ہوتا ہے۔" (ٹربیون مورخہ ۱۲ اپریل ۱۹۴۶ء)

مشہور تاریخ دان ملے (Malleh) "ہندوستان ایک مشترکہ تہذیب سے متحد ہے جو پچھلی چند صدیوں سے مسلسل زندہ رہی ہے۔ ہندوستان ایک تہذیب کا نام ہے نسل کا نہیں۔ ہندوستان جغرافیائی اور تمدنی لحاظ سے ایک مسلسل وجود ہے۔"

امریکن اخبار 'ٹائم' :۔

مسٹر جناح ہندوستان کی بیرونی حملہ کو روکنے کی طاقت اور صنعت و حرفت دونوں کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقوں پر مشتمل پاکستانی خطہ محض ایک زراعتی علاقہ ہوگا جو صنعت اور معدنیات کی پیداوار کے لحاظ سے نہایت

غریب ہوگا تا وقتیکہ کلکتہ کا ہندو اکثریت کا صنعتی علاقہ پاکستان میں شامل نہ کیا جائے" (۸ار اپریل ۱۹۴۶ء)

لارڈ مارے نے ۱۹۰۶ء ہندوستان میں جداگانہ انتخابات کی زیرِ غور سکیم، پہ رائے زنی کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہم ہندوستان میں زہریلے بیج بو رہے ہیں۔ فصل کڑوی ہوگی" اور اب فصل یقیناً کڑوی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد: "میں نے ہر پہلو سے مسلم لیگ کی پاکستان کی سکیم کا مطالعہ کیا ہے۔۔۔۔۔ اور اس کے ہر پہلو کو بغور دیکھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ سکیم نہ صرف بہ حیثیت مجموعی ہندوستان کے لئے بلکہ مسلمانوں کے اپنے مفاد کے بھی خلاف ہے۔ بجائے فرقہ وارانہ مسئلوں کو حل کرنے کے یہ سکیم اور زیادہ پیچیدگیاں پیدا کرتی ہے۔ تقسیم کی تحریک اسلامی نقطہ نظر کے خلاف ہے چونکہ پیغمبر اسلام نے کہا ہے "خدا نے میرے لئے سارا جہاں مسجد بنایا ہے۔۔۔۔۔" تقسیم کے بعد ہندو علاقہ جات کے مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ انکی پوزیشن ان کے اپنے علاقہ جات میں اجنبیوں کی سی ہوگئی ہے۔" (بیان مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۴۶ء)

ڈاکٹر خان صاحب وزیرِ اعظم صوبہ سرحد: "پاکستان کے حامی خطرہ سے ہمیشہ خائف رہے ہیں۔ اگر اب جنگ آزادی شروع ہوئی تو وہ غریب ان پڑھ عوام کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ کر اپنے بلوں میں گھس جائیں گے۔ میں ہندوستان میں انقلاب کی آمد کو

خوش آمدید کہو نگا تا کہ ملک پر یہ ثابت ہو جائے کہ وقت پڑنے پر میدان عمل میں کون ٹھہرتا ہے .... مسٹر جناح جو خود غلام ہیں پٹھانوں کے جذبہ آزادی کی قدر نہیں کر سکتے .... ایسا شخص ہرگز مسلمانوں کا قائد اعظم نہیں بن سکتا اور جو لوگ اُسے قائد اعظم کہتے ہیں وہ سچے مسلمان نہیں ہیں" (بیان مورخہ ۱۴ر اپریل - ٹربیون سے ماخوذ)

سید عطاء اللہ شاہ بخاری :- پاکستان مسلمانوں کے نقطہ نظر سے عوام کے لئے تباہ کن ہوگا پاکستانی شکل میں نام نہاد اسلامی ریاست کے تین حصے ہو جاتے ہیں۔ ان تینوں حصوں کی الگ الگ پوزیشن کی صورت میں کسی بھی حکومت کے نزدیک اسکی کوئی بھی اہمیت نہیں ہوگی۔ کیا بلحاظ اقتصادی حالت کے اور کیا بلحاظ سرحدی تحفظ کے۔

"دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح افغانستان برطانیہ کے زیر اقتدار رہا۔ اس صورت میں کوئی ہندوستانی مسلمان افغانستان کے متعلق برطانوی سامراج کی ریشہ دوانیوں کے خلاف آواز نہ اٹھا سکا۔ یہی پوزیشن پاکستان کی ہوگی۔ تین حصوں میں بٹ جانے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ہندوستانی مسلمان ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ ایک حصے کو دوسرے حصے کی مدد کے لئے بھی ہندو ریاست میں سے گزرنا پڑے گا جو ناممکن ہے۔

"اندریں حالت ہم کبھی اس امر کی اجازت نہیں دے سکتے کہ ایک حصے کا مسلمان خاموش رہے۔ پاکستان کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ

ہم مستقل طور پر ایک ہندو ریاست قائم کر دینگے۔ جہاں ۲½ کروڑ مسلمان ہندوؤں کے رحم کرم پر ہوں گے ہماری عبادت گاہیں اور دیگر معاشی مذہبی اور تمدنی ضروریات کے پیش نظر ہم کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہندو ہم پر بالکل قابض ہو جائیں۔

"آج مسلم لیگ قوم پرور مسلمانوں کو چیلنج دے رہی ہے کہ وہ ہمیں ہلاکو اور چنگیز خاں کی طرح تباہ کر دیں گے۔ یہ نعرہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اسلام کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ لیکن اگر وہ یہی کرنا چاہتے ہیں جن کی وہ آئے روز دھمکیاں دیتے رہتے ہیں تو ہم اس کے لئے بالکل تیار ہیں۔

مولانا حبیب الرحمن: ۔ مولانا ابوالکلام آزاد ہندوستانی مسلمانوں کے حقیقی اور بے خوف نمایندے ہیں وہ مسلمانوں کے حقوق کی اسی طرح حفاظت کریں گے۔ جس طرح ہندوستانی قوم کے حقوق کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ہندوستان کا ہر مسلمان ہندوستانی تقسیم کی مخالفت کرے گا مسلمانوں کے لئے پاکستانی اسکیم کو منظور کرنا اپنی موت کے وارنٹ پر دستخط کرنے کے مترادف ہوگا۔ ہندوستانی مسلمان تقسیم ملک کو رد کرنے اور اس کے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔ ہندوستان کے آئینی نظام کا تصفیہ کرنے کے لئے وزارتی مشن کا دورہ متحدہ ہندوستان کی قابل بیان قربانیوں اور تکالیف کا نتیجہ ہے وہ دن دور نہیں جب مسلم لیگ کی طاقت کو پاش پاش کر دیا جائے گا۔

مذہب کے نعرے کو اب عوام اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔

مسلم لیگی کھلم کھلا اشتعال انگیز تقاریر کرتے ہیں اور اپنے مخالفین کو قتل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اگر قوم پرور مسلمان لیڈر اس قسم کی تقریریں کرتا تو اسے بہت عرصہ پہلے جیل میں بند کر دیا جاتا۔ حکومت کے اس رویہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لیگ اپنے برطانوی آقاؤں کے اشاروں پر ناچ رہی ہے۔

مسٹر جی۔ ایم سید (سندھ کے لیگی لیڈر) "مذہب اسلام امن پسندی کے اصولوں پر قائم ہے اور انسانوں میں ہمدردی و محبت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے وقوع پزیر ہوا۔ اسلام کی آڑ میں باہمی نفرت کی تحریک کیسے چل سکتی ہے۔ دراصل 'مذہب خطرے میں ہے' کا نعرہ فرقہ پرست لیڈروں کے ذاتی مفاد کی پیداوار ہے"

پروفیسر عبدالمجید: "اگر حب الوطنی اسلام کا خاصہ ہے تو پھر (لیگیوں کو) اپنے ہندو بھائیوں سے میل ملاپ سے کیوں احتراز ہے۔ آؤ ہم سب (ہندو مسلم) ملکر ہندوستان کی آزادی کے لئے کوشش کریں اور بغیر دھرم کی تفریق کے مروت کے احساسات کے ساتھ ملک کی خدمت کریں"

ڈاکٹر سید حسین: "بلاشبہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے بھائی مسلمان اپنی پرانی عظمت کو دوبارہ حاصل کریں۔ لیکن میں یہ سمجھنے سے عاری ہوں کہ علاقہ جات کی تقسیم سے یہ عظمت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور پھر

یہ تقسیم ملک کی مجموعی اقتصادی ضروریات سے کیسے موافقت کریگی۔ پاکستان کی سکیم مضحکہ خیز ہے۔ آخر کار یہ سکیم مسلمانوں کے مفاد کے منافی ثابت ہو گی۔ اور میں اس سچائی کو ثابت کرنے کے لئے پاکستان کے حامیوں سے مباحثہ کے لئے تیار ہوں۔" (لیکچر مورخہ ۴؍ اپریل ۱۹۴۶ء)

مسٹر اے۔ ایم علی بجاپائی۔ پریذیڈنٹ مدراس نیشنل مسلم مجلس:۔ "ہندو اکثریت کے علاقوں کے ۱/۲ ۳ کروڑ مسلمانوں کو جلد ہی یہ معلوم ہو جائیگا کہ مسلم لیگ اُن کے ساتھ دھوکا کر رہی ہے اور ان ۱/۲ ۳ کروڑ مسلمانوں کے مفاد کو بے رحمی سے پاکستان کے قیام کے لئے ذبح کر رہی ہے۔" (بیان مورخہ ۲۴؍ اپریل ۱۹۴۶ء)

مسٹر اے۔ ایم۔ خواجہ۔ پریذیڈنٹ آل انڈیا مسلم مجلس:۔ "پاکستان اور دو قوموں کا مسئلہ جداگانہ انتخابات کے مروجہ اصُول کی قدرتی پیداوار ہیں تمام قوم پرست مسلم جماعتیں مختلف اوقات پر مشترکہ انتخابات اور قانون ساز اسمبلیوں اور دیگر لازمنتوں وغیرہ میں) مسلمانوں کی سیٹیں مقرر کئے جانے کے حق میں ریزولیوشن پاس کرتی رہی ہیں۔ ......

اگر برطانیہ ہندوستان کو سچے دل سے خود مختاری دیے جانے کا خواہاں ہے تو یہ ضروری ہے کہ جداگانہ طریق انتخابات کا انسداد کیا جائے۔"

بابو راجندر پرشاد:۔ "بلاشبہ پاکستان کا قیام فرقہ دارانہ سوال کا نہایت مایوس کُن حل ہے۔ اس سے اقلیتوں کا مسئلہ حل نہیں ہو گا ..... پاکستان کی تہ میں وہی ذہنیت کام کر رہی ہے جو باہمی فرقہ دارانہ

فسادات اور جنگہائے عظیم کو جنم دیتی ہے۔۔۔۔۔۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ہزار ہا سال کی باہمی بود و باش سے پیدا شدہ رفاقت کے احساس کو ذبح نہ کریں۔۔۔۔۔ میں آشاواری ہوں کہ فرقہ دارانہ مسئلہ کا حل ناممکن نہیں ہے۔ (انڈیا ڈوائڈڈ)

پنڈت جواہر لال نہرو:۔ "پاکستان کے قیام کے بعد بھی تو مختلف خطوں میں ہندوؤں و مسلمانوں کو اکٹھے رہنا ہوگا۔ اگر وہ تقسیم کے بعد باہم پیار و محبت سے رہ سکتے ہیں تو متحدہ ہندوستان میں کیوں نہیں رہ سکتے؟ ہندو علاقہ جات سے مسلمانوں کا اور مسلم علاقہ جات سے ہندوؤں کا اخراج بالکل ناممکن ہے۔" (نئی دہلی۔ بیان مورخہ ۱۴ راپریل)

ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی۔ پریذیڈنٹ آل انڈیا ہندو مہاسبھا:۔

"ہندوستان ایک ملک ہے جسکی تقسیم کا خیال خطرناک ہے۔ یہ لازم ہے کہ اس ملک کی ایکتا کو ہر صورت میں برقرار رکھا جائے۔ اور پاکستان یا آتم نر نے ایسے کسی اصول پر کسی حالت میں بھی ملک کے حصے بخرے نہ کئے جائیں۔ زبان اور کلچر کی بنا پر مختلف صوبوں کی حد بندی دوبارہ ہو سکتی ہے۔ اور ان نئے نزاشیدہ خطوں کو اندرونی نظم ونسق کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ خود مختارانہ اختیارات دئے جا سکتے ہیں۔ (بیان ۱۶ راپریل ۱۹۴۶ء)

قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح:۔ "ہندو اور مسلمان محض ہندوستان کے دو مذہبی فرقے نہیں ہیں بلکہ دونوں کے درمیان سیاسی۔ اقتصادی

اور مجلسی اختلافات ہیں۔ ہر مسلمان کے دل میں مخصوص سیاسی خواہشیں ہوتی ہیں جو اُسے اپنی ملت کی بہبودی سے متعلقہ تحریک پر اُبھارتی ہیں۔ غیر مسلم ممالک کی بہبودی سے اُسے اتنی غرض نہیں جتنی مسلم ممالک کی بہبودی سے ہے۔ اسکا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اسلام کو دُنیا کی سب سے بڑی سیاسی طاقت بنائے" (پاکستان اور مسلم انڈیا کے دیباچہ سے ماخوذ)

الیف۔ کے۔ درانی :۔ "ہندوستان میں ایک چپہ زمین بھی ایسی نہیں جسے ہمارے آباؤ اجداد نے خون دیکر نہ خریدا ہو۔۔۔۔۔۔ لہذا تمام ہندوستان ہمارا ورثہ ہے اور ہمیں اسلام کے نام پر اسے فتح کرنا ہوگا۔۔۔۔ ہمارا نصب العین ہندوستان کی ایکتا ہے لیکن یہ ایکتا اسلامی جھنڈے کے نیچے ہوگی۔ اسکے بغیر ہندوستان کی سیاسی نجات ناممکن ہے"۔ (کتاب "پاکستان کے معنی" سے ماخوذ)

ایک پنجابی :۔ "یہ صاف صاف بیان کر دینا ضروری ہے کہ ہندو انڈیا سے مسلم انڈیا کی علیحدگی ہی بذات خود ہمارا نصب العین نہیں ہے بلکہ یہ ایک دوسرے نصب العین۔ ایک خالص اسلامی حکومت کے قیام ــــ کے حصول کا ذریعہ ہوگی۔ مسلمانوں کی دس مجوزہ حکومتوں میں بنگال۔ صوبہ سرحد اور ریاست حیدر آباد کی حکومتیں بھی شامل ہونگی" (کتاب کنفیڈریسی آف انڈیا سے)

ہندوستان کے بڑے بڑے مشہور و ماہر آئین دانوں نے ہندو مسلم گتھی کا حل نکالنے کے لئے بہت ذہن ریزی کی ہے۔ اس سیاسی تیراندازی میں ایک "ماہر" نے دوسرے سے بڑھ کر زور لگایا لیکن تیر نشانہ پر نہ بیٹھا اور مسٹر جناح۔ قائدِ اعظم لیگ۔ کی ہٹ دھرمی اور "میں نہ مانوں" جوں کی توں رہی۔

پچھلے صفحات میں چند ایسی اسکیموں کا بیان ہے جو پاکستان کے حامیوں کی طرف سے موجودہ ہندو مسلم مسئلہ کے حل کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اُن سب اسکیموں کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ ہندو اور مسلم دو سیاسی جماعتیں نہیں بلکہ دو قومیں ہیں۔ جنکے سیاسی۔ مجلسی۔ مذہبی اور اقتصادی مفاد ایک دوسرے سے

مختلف ہی نہیں بلکہ بعض حالتوں میں متضاد ہیں۔ اور یہ کہ مسلمان ہندو اکثریت کے غلبہ سے (جسکے اثرات اُن کے موحدوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں کے مذہب، فلسفہ اور کلچر کے لئے انتہائی تباہ کن ہیں۔) اسی حالت میں بچ سکتے ہیں اگر ملک کو مذہب کی بنا پر ضرورت کے مطابق دو یا اس سے زیادہ خود مختار خطّوں میں منقسم کر دیا جائے۔

لیگی نقطہ نظر کے لوگوں میں آنجہانی سر سکندر حیات خاں، مسٹر رحمت علی ڈاکٹر۔ ایس۔ اے لطیف ایسی ہستیاں شامل ہیں۔

اسکے علاوہ ’داناؤں‘ کی ایک ایسی جماعت بھی ہے جنہوں نے برملا پاکستان کے اصول کو تسلیم نہ کرتے ہوئے، یا مصلحت وقت کے پیش نظر ’قومی‘ اور ’فرقہ دارانہ‘ نقطہ ہائے نظر کے درمیان مفاہمت پیدا کرتے ہوئے موجودہ ہندو مسلم گتھی کو سلجھانے کی غرض سے چند ایک سکیمیں پیش کی ہیں۔ سیاسی ’داناؤں‘ کے اس زمرہ میں۔ سر ایس کرپس مشہور ماہر سیاسیات پروفیسر ریجینالڈ کوپ لینڈ۔ سر سلطان احمد، سر تیج بہادر سپرو۔ ڈاکٹر امبیدکار۔ ایسی شخصیتیں شامل ہیں۔

ہندوستان کی سیاسی تاریخ کے اس نازک ترین دور میں جبکہ ہمارے مستقبل کی تشکیل معرض التوا میں ہے۔ اُن تمام اسکیموں کا جو فرقہ دارانہ گتھی کو سلجھانے کے لئے وقتاً فوقتاً پیش کی گئی ہیں۔ بغور مطالعہ ضروری ہے۔

جن اسکیموں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے انہیں سب سے پہلے سر سٹیفورڈ کرپس

کی تجاویز کا نمبر آتا ہے۔

بلا شبہ اس وقت ہم کرپس تجاویز کی پیش کش کے دور سے بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔ لیکن کرپس تجاویز کا بیان خالی از اہمیت نہیں ۱۹۴۲ء میں مشہور اشتراکیت پسند برطانوی سیاست دان سر سٹیفورڈ کرپس۔ ملک معظم کی گورنمینٹ کی طرف سے ہندوستان کے لئے ایک سیاسی پیش کش لائے۔ ان تجاویز کو دو حصّوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصّہ میں ہندوستان میں وقتی گورنمنٹ کے قیام کا ذکر تھا دوسرے میں ہندوستان کے مستقبل کے آئین کی ساخت سے متعلقہ طریقہ کار کا بیان۔

متذکرہ بالا اسکیم کے اعلان کا مدعا یہ تھا کہ صاف صاف طور پہ ان اقدام کی وضاحت کی جائے جو ملک معظم کی حکومت ہندوستان کو جلد از جلد درجہ نو آبادیات دئے جانے کے سلسلے میں اٹھانا چاہتی ہے۔

متذکرہ بالا اعلان میں یہ واضح طور پہ بیان کیا گیا کہ جنگ کے خاتمہ کے فوراً بعد ملک معظم کی گورنمنٹ ہندوستان میں ایک ایسی قانون ساز اسمبلی جو ملک کی اہم سیاسی پارٹیوں کے نقطہ ہائے نظر کی ترجمان ہوگی، بلائے گی اور یہ اسمبلی ہندوستان کا مستقبل کا آئین تیار کرے گی۔ جس آئین میں ہندوستان کے صوبوں و دیگر علاقہ جات کے علاوہ ہندوستانی ریاستوں کی شمولیت کی بھی گنجائش ہوگی۔

اعلان میں یہ صاف طور پر بیان کر دیا گیا تھا کہ اگر کوئی صوبہ مجوزہ انڈین یونین میں شامل ہونے سے احتراز کرے تو اسکی موجودہ آئینی پوزیشن بر قرار رہے گی نیز اُسکے بعد وہ صوبہ کسی دوسرے "یونین" میں جو اُسکے بعد عالم ظہور میں آئے شامل ہو سکتا ہے۔ گویا ریاستوں اور صوبوں کا "آلگ ہونے" کا حق تسلیم کر لیا گیا تھا۔

مجوزہ آئین ساز اسمبلی کے بلائے جانے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ ملک کی سیاسی جماعتوں کی پوزیشن کا صحیح جائزہ لیا جائے۔ لہٰذا یہ اعلان کیا گیا کہ جنگ کے خاتمہ کے فوراً بعد ہندوستان میں صوبائی و مرکزی اسمبلیوں کے انتخابات ہونگے۔ اور آئین ساز اسمبلی کے بلائے جانے کے متعلق متذکرہ بالا اقدام صوبائی و مرکزی انتخابات کے بعد اُٹھائے جائیں گے۔ یعنی یہ تجویز کیا گیا کہ ملک میں سیاسی و اقتصادی صورت حال کے پیش نظر ایک ایسی عارضی گورنمنٹ قائم کی جائے جسے ملک کی اہم ترین سیاسی پارٹیوں کا اعتماد حاصل ہو۔ اِسکے بعد وقت آنے پر (جنگ کے خاتمہ پر) عام انتخابات ہوں۔ پھر ایک قانون ساز اسمبلی بلائی جائے جو انڈین یونین کا آئین تیار کرے۔ اور پھر یہ انڈین یونین ملک معظم کی گورنمنٹ سے خود مختار گورنمنٹ کی حیثیت سے تحریری عہد نامہ کرے۔ جو صوبے یا ریاستیں متذکرہ بالا انڈین یونین میں شامل نہ ہوں وہ اپنا علیحدہ کوئی یونین بنائیں یا اپنی موجودہ سیاسی پوزیشن قائم رکھیں و ملک معظم کی گورنمنٹ سے علیحدہ عہد نامہ طے کریں۔

باوجود اس امر کے کہ متذکرہ بالا کرپس سکیم میں مختلف صوبجات کے آئتم نرنے کے حق کو تسلیم کرلیا گیا تھا مسلم لیگ نے وہ پیش کش اس بنا پر ٹھکرادی کہ اس میں پاکستان کے اصول کو صاف اور برملا طریق پر تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ نیز انڈین یونین کی ساخت کے بعد دیگر صوبوں کے علیحدہ یونین وغیرہ بنانے کے سوال کو محض ماضی بعید کا ایک غیر یقینی اور غیر اہم سا معاملہ بنا دیا گیا تھا۔!

اگرچہ کرپس سکیم میں مختلف صوبوں کے آئتم نرنے کے حق کو تسلیم کرلیا گیا تھا لیکن چونکہ یہ محض رقبہ کی تقسیم کی بنا پر تھا اور دو قوموں کی بنا پر نہیں تھا۔ لہذا مجوزہ سکیم کو نامنظور کردیا گیا۔

نیز مجوزہ سکیم میں آئین ساز اسمبلی کے ممبران کا چناؤ تمام صوبوں کی اسمبلیوں کے ایک مشترکہ اجلاس میں فرقہ دارانہ تناسب سے کیا جاتا تھا۔ مسٹر جناح کو خدشہ تھا کہ اس طریق کے چناؤ کی بنا پر مسلمانوں کی تعداد محض ۲۵ فی صدی ہو گی اور متذکرہ بالا اسمبلی میں غیر مسلم ممبران کی اکثریت ہو گی۔ جو صورت حال انہیں کسی حالت میں منظور نہیں تھی۔

پروفیسر کوپ لینڈ کی اسکیم:۔ انگلستان کے مشہور ماہر سیاسیات و آئین سازی پروفیسر کوپ لینڈ برطانوی گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستان کے آئینی مسئلہ کی چھان بین کے لئے یہاں تشریف لائے ایک سال تک انہوں نے ملک کے سیاسی حالات کا مطالعہ کیا اور اس کے

بعد ایک سکیم مرتب کی جو کوپ لینڈ ریجنل سکیم کے نام سے مشہور ہے۔

پروفیسر کوپ لینڈ نے ہندوستان کے سیاسیات کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ بھانپ لیا کہ ایسی کوئی سکیم جس میں اکھنڈ ہندوستان کا اصول برقرار رہے مسلم لیگ کو ہرگز قابلِ قبول نہ ہو گی اور اس کے برعکس ایسی کوئی تجویز جس میں فرقہ دارانہ بنا پر ہندوستان کو مختلف خود مختار خطوں میں منقسم کر دیا جائے ہندوؤں کو نا قابلِ قبول ہو گی لہٰذا انہوں نے اپنی مجوزہ سکیم میں ایک نئی جدت پیدا کی۔ اس نئی جدت کا نام انہوں نے "ریجنلزم" رکھا انہوں نے تمام ملک کو چار ریجنز (Regions) یعنی خطوں میں منقسم کیا۔ شمالی ہندوستان کو تین حصوں میں اور بقیہ تمام ملک کو ایک علیحدہ خطہ تصور کیا۔ اس تقسیم کے اصول کا نام انہوں نے ریجنلزم (Regionalism) رکھا۔

اس تقسیم کا بنیادی خیال انہوں نے آنجہانی سر سکندر حیات خاں کی سکیم اور مسٹر ایم۔ ڈبلیو۔ ایم۔ ایٹس۔ ہندوستان کے ۱۹۴۱ء کے مردم شماری کمشنر کے فراہم کردہ اعداد و شمار سے لیا۔ چار خطے مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ علاقہ سندھ۔ کشمیر سے کراچی تک۔ جسے پاکستان میں شمار کیا جاتا ہے۔

۲۔ پنجاب اور بنگال کے درمیان کا وہ علاقہ جسے دریائے گنگا

اور جمنا سیراب کرتے ہیں۔ اور جو" ہندوستان" میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

۳۔ بہار اور مشرقی سرحد کے درمیان کا علاقہ جسے دریائے گنگا اور برہم پتر سیراب کرتے ہیں۔ موجودہ شمال مشرقی ہندوستان۔

۴۔ بقایا تمام ملک جس میں سطح مرتفع دکن و مدراس وغیرہ کے علاقہ جات شامل ہیں۔

متذکرہ بالا سکیم کے موجد، پروفیسر کوپ لینڈ کا خیال ہے کہ اُنکی سکیم ہندوستان کی اقتصادی ضروریات کے مطابق ہے۔ اور یہ تقسیم فرقہ دارانہ نہیں بلکہ اقتصادی بنا پر ہے اگرچہ یہ ساتھ ساتھ فرقہ دارانہ ضروریات بھی پوری کرتی ہے۔

پروفیسر مذکور کا خیال ہے کہ ہندوستان کی طبعی ساخت کچھ ایسی ہے کہ اسے اقتصادی ترقی کے لئے بجلی کی طاقت کو نشوونما دینے کی ضرورت ہے۔ لہذا ملک کو چار خطوں میں منقسم کر کے پروفیسر صاحب نے پچاس سال کا ایک اقتصادی ترقی کا پروگرام تیار کیا۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ پروفیسر مذکور فرماتے ہیں کہ انکی تقسیم پاکستانی پائنٹ سے مختلف ہے۔ چونکہ یہ اقتصادی ضروریات کی بنا پر ہے۔ فرقہ دارانہ بنا پر نہیں۔ نیز باوجود ملک کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنے کے یہ ملک کی اکینتا کو برقرار رکھتی ہے۔ دیگر سیاسی جماعتوں کے علاوہ یہ مسلم لیگیوں کو بھی قابل قبول ہونی چاہیئے چونکہ اس سکیم کے

زیر عملدر آمد مرکزی گورنمنٹ کے زیر اقتدار محض چند ایک نہایت ضروری اور کم از کم امور کا نظم و نسق ہوگا۔ دیگر تمام امور کا نظم و نسق مجوزہ چار علاقہ جات کی علیحدہ علیحدہ حکومتوں کے ہاتھ میں ہوگا جو سیاسی طور پر خود مختار ہونگی۔ مرکزی حکومت کے کم از کم اختیارات ہونگے۔ اور مرکزی حکومت ان اختیارات کو صوبجات کے ایجنٹ یا نمائندہ کے طور پر استعمال کریگی۔ بذات خود مرکزی حکومت کے کوئی اختیارات نہیں ہونگے۔

مرکزی حکومت کے زیر انتظام مندرجہ ذیل امور ہونگے۔

۱۔ تعلقات خارجہ و معاملات متعلقہ ملکی حفاظت۔

۲۔ بیرونجات کے ممالک سے تجارت اور مال درآمد و برآمد پر ٹیکس وغیرہ لگانے سے متعلقہ پالیسی۔

۳۔ کرنسی (ٹکسال)

۴۔ ذرائع رسل و رسائل۔ ریلوے۔ ہوائی آمدورفت سمندری ڈاک آمدورفت بے تار برقی۔ ٹیلیفون۔ ٹیلیگراف۔ محکمہ ڈاک۔ صنعتی ترقی۔ کانوں سے متعلقہ آئین سازی۔ اہم ترین بندرگاہوں۔ و فوجی اہمیت کے مراکز وغیرہ کا کنٹرول۔ ایسے متعدد امور کو بھی مرکزی گورنمنٹ کے زیر عملدر آمد لایا جا سکتا ہے۔

اپنی سکیم کی وضاحت میں پروفیسر کوپ لینڈ فرماتے ہیں کہ انکی سکیم میں صوبائی خود مختاری و مرکزی اکتا کے درمیان موافقت پیدا

کرنے کی کوشش کیگئی ہے۔ یہ سکیم فیڈریشن سے مختلف ہے۔ چونکہ یہ صوبجات کو قطعی خود مختاری دیتی ہے۔ کنفیڈریشن سے مختلف ہے۔ چونکہ کنفیڈریشن تو محض خود مختار علاقہ جات کی لیگ ہوتی ہے۔ اور اسکے برعکس انکی مجوزہ سکیم میں جیتی جاگتی مرکزی گورنمنٹ کا وجود مہیا کیا گیا ہے۔ یہ پاکستان بھی نہیں چونکہ یہ ہندوستان کو مذہبی بنا پر تقسیم نہیں کرتی۔ اکھنڈ ہندوستان بھی نہیں۔

بہ نظر غور دیکھا جائے تو پروفیسر کوپ لینڈ دراصل ایک ایسی سکیم تلاش کرنے کی فکر میں جو سب فرقوں کو قابل قبول ہو۔ بذات خود بدحواس اور پریشان معلوم ہوتے ہیں۔ وہ شاید خود بھی نہیں جانتے کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں۔ انکی سکیم کنفیڈریشن بھی نہیں۔ فیڈریشن بھی نہیں۔ پاکستان سے منحرف بھی نہیں۔ اسے منظور بھی نہیں کرتی۔ اکھنڈ ہندوستان بھی قائم رکھتی ہے۔ صوبائی خود اختیاری کی وکالت بھی کرتی ہے۔ تقسیم میں ایکتا۔ اور ایکتا میں تقسیم کی تلاش یہ سب متضاد خواہشیں ہیں۔ ہندوستان کے مختلف فرقہ جات کے متضاد مطالبات کو وہ لفظی ہیر پھیر سے مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تقریباً ناممکن ہے۔ صرف انکی ہی کیا بات۔ برطانوی سیاست دانوں کا یہ خاصہ ہے۔ وہ دل آزاری کی بات کہنے سے حتیٰ الوسع احتراز کرتے ہیں۔ اور ایک ہی بیان بلکہ ایک ہی سانس میں ہندوستان کی ایکتا اور تفرقات کا ذکر کرتے ہیں۔

متذکرہ بالا ذو معنی لفاظی کے علاوہ پروفیسر کوپ لینڈ ایک بات کا صاف اعتراف کرتے ہیں۔ اور وہ ہے ہندوستان میں مختلف قوموں کی علیحدہ علیحدہ ہستی لیکن پروفیسر کوپ لینڈ نہایت ہوشیار منطق سے قومیت کو ریجینس (Regions) یعنی خطوں کی حدود سے والبتہ کر دینا چاہتے ہیں۔ ہر خطے کی علیحدہ قومیت ہوگی۔

مرکزی اسمبلی میں تمام خطے برابر برابر نمائندے بھیجیں گے۔ مرکزی منتظمہ کونسل میں چار یا چھ وزیر ہونگے جنہیں اسمبلی منتخب کریگی۔ کونسل کا صدر وزیر اعظم ہوگا۔ جو یکے بعد دیگرے ایک بار ہندو اور ایک بار مسلمان ہوا کریگا۔

پروفیسر کوپ لینڈ کا خیال ہے کہ چونکہ مرکزی اسمبلی کے نمائندے اپنے مذہب یا فرقے کی نہیں بلکہ اپنے اپنے علاقہ جات یا خطوں کی نمائندگی کرینگے نیز نمائندگی کا تناسب کسی فرقہ کے نفوس کی تعداد پر نہیں بلکہ محض علاقہ جات کی تقسیم پر منحصر ہوگا لہذا اس ماحول میں جب مختلف فرقہ جات کے ممبران کو باہم کام کرنے کا موقعہ ملیگا تو باہمی ہمدردی اور مشترکہ قومیت کے عناصر پیدا ہونگے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصہ کی باہمی کوششوں کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں میں سوئٹزرلینڈ اور کینیڈا کی طرح تضاد کے باوجود باہمی ہندوستانی قومیت کے جذبات پیدا ہو جائیں۔

سر سلطان احمد کی سکیم:- اپنی کتاب موسومہ ہندوستان اور برطانیہ

کے درمیان عہد نامہ میں سر سلطان احمد رقمطراز ہیں کہ "اگر شمال مغربی اور شمال مشرقی پاکستانی علاقوں کو بقیہ ہندوستان سے بالکل علیحدہ خودمختار ریاستوں میں تبدیل کر دیا جائے تو عملی طور پر یہ تجربہ کامیاب ثابت نہیں ہوگا چونکہ اس قسم کی تقسیم سے متذکرہ بالا علاقہ جات کو فوجی حفاظت اور اقتصادی مضبوطی دونوں چیزیں میسر نہیں ہونگی۔ اور اسکے علاوہ بقیہ ہندوستان میں رہنے والے مسلم باشندوں کے مفاد کی حفاظت نہیں ہو سکیگی۔ لہذا انہوں نے ذہن ریزی کر کے ایک سکیم تیار کی جو اُن کا خیال ہے نہ صرف مسلم لیگ کے مطالبات کی تشفی کرتی ہے بلکہ غیر مسلم فرقہ جات کے خدشات بھی دور کرتی ہے۔

مجوزہ سکیم برطانوی گورنمنٹ کے ۱۹۴۵ء کے اعلان کے مطابق ہے اور جو آئینی ڈھانچہ اس سکیم میں زیر بحث لایا گیا ہے اُسے مصنف نے 'ہندوستان کا یونین' نام دیا ہے۔

اس سکیم کے زیر عمل درآمد صوبجات کی حکومتیں علیحدہ علیحدہ خودمختار ہونگی اور انہیں اندرونی معاملات کے نظم و نسق میں پوری آزادی ہوگی معاملات متعلق بیرونی تعلقات کا انتظام مرکزی گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ مرکزی گورنمنٹ صوبجات کے متفقہ فیصلہ سے ظہور میں آئے گی۔ اور مرکزی حکومت کے زیر عمل ملکی حفاظت۔ امور خارجہ۔ کرنسی ٹیکس۔ بے تار برقی محکمہ ہوائی رسل و رسائل۔ ریلوے جہازوں کی آمد و رفت۔ پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف وغیرہ ہونگے۔ آخری قطعی اختیارات

صوبجات کے ہاتھ میں ہونگے۔

مرکزی قانون ساز اسمبلی میں ۴۰ فیصدی مسلمان، ۴۰ فیصدی ہندو، ۱۰ فیصدی دلت جاتیاں۔ اور ۱۰ فیصدی ہندوستانی عیسائی اینگلو انڈین۔ سکھ۔ پارسی وغیرہ فرقہ جات کے نمائندے ہوں گے ابتدائی آئین ساز اسمبلی کے متعلق یہ تجویز کیا گیا ہے کہ متذکرہ بالا ۸۰ ہندو و مسلم انتخابی دائروں کو پانچ پانچ سو حصوں میں منقسم کردیا جائے۔ ہر اس حصے سے ایک ہندو اور ایک مسلمان مخصوص انتخابی شرائط کے زیر منتخب ہو۔ اور اس طرح یہ ۸۰ انتخابی دائروں سے ہر دائرہ ۵۰۰ ہندو اور ۵۰۰ مسلمان نمائندے منتخب کرے اور یہ نمائندے مشترکہ انتخاب کی بنا پر ایک ہندو اور ایک مسلمان نمائندہ ہر انتخابی دائرے سے منتخب کرکے بھیجیں۔ اسی قسم کا مناسب انتظام دلت جاتیوں اور دیگر فرقہ جات کے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔

انتظامیہ کونسل (ایگزیکٹو کونسل) میں بھی ہندو اور مسلمان نمائندوں کا وہی تناسب رہے جو قانون ساز اسمبلی میں ہو۔ انتظامیہ کونسل مرکزی اسمبلی کے سامنے جواب دہ ہو۔ ایک بار ہندو اور ایک بار مسلمان وزیر اعظم منتخب ہو۔ اگر کمانڈر انچیف مسلمان ہو تو وزیر فوج ہندو ہو۔ سرکاری نوکریوں اور لوکل سیلف گورنمنٹ سے متعلقہ میونسپل کونسلوں کمیٹیوں وغیرہ میں وہ فرقہ وارانہ تناسب۔ جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ قائم رکھا جائے۔ البتہ فوج میں مسلم و غیر مسلم کا حصہ برابر برابر ہو۔

ملک کے آئین میں اقلیتوں کے مذہبی۔ سماجی۔ اور کلچرل حقوق کی حفاظت کا یقین دلایا جائے۔ موجودہ ترنگے جھنڈے میں ہلال کے نشان کو بھی جگہ دی جائے۔ گائے کشی کی اجازت ہو لیکن جلوس کے ساتھ نہیں۔ مرکزی حکومت کی زبان انگریزی اور حروف تہجی (Script) رومن ہوں۔ مختلف فرقوں کو مذہبی۔ سماجی تعلیمی آزادی ہو۔ جو قانون کسی خاص فرقہ کے مفاد پر اثر انداز ہوتا ہو تو جب تک اس فرقہ کے تین چوتھائی ممبران اسمبلی رضامند نہ ہوں وہ قانون پاس نہ ہو سکے۔ وغیرہ وغیرہ۔

صوبائی اسمبلیوں میں اقلیتوں کے لئے جداگانہ طریق انتخاب ہو موجودہ صوبجات کی حدود کو ضرورت کے مطابق تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن اس طریق پہ نہیں کہ کسی علاقہ کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے۔ صوبائی انتظامیہ کونسل اور سرکاری نوکریوں میں اقلیتوں کا وہی تناسب ہو جو صوبائی اسمبلی میں۔

سر سلطان احمد نے ہندو مسلم گتھی کا حل نکالنے کی کسی حد تک کامیاب کوشش کی لیکن یکطرفہ جھکاؤ سے بالا تر نہیں رہ سکے۔ مثلاً آپ نے یہ تجویز کیا کہ ایک بار غیر مسلم اور ایک بار مسلم وزیر اعظم ہو۔ غیر مسلم، میں ہندو۔ سکھ۔ عیسائی۔ پارسی۔ دلت جاتیاں۔ اینگلو انڈین سبھی فرقے شامل ہیں۔ اور یقیناً اگر اقلیتوں کے حقوق کا لحاظ مدِ نظر ہے تو وہ کبھی کسی نہ کسی وقت وزیر اعظم کو منتخب کرنا چاہیں گی لیکن

دیگر فرقہ جات کو حصّہ ہندو نصف سے ہی کیوں دیا جائے۔ نیز ملک کی فوج میں دیگر تمام فرقہ جات کے مقابلہ میں ایک چوتھائی مسلمانوں کو نصف حصّہ دینا انصاف سے سراسر بعید ہے۔

ڈاکٹر امبیدکار کی سکیم :۔ ڈاکٹر امبیدکار کی سکیم کا مرکزی اصول یہ ہے کہ ہندوستان کے مخصوص سیاسی ماحول میں یہ ضروری ہے کہ کثیر ترین فرقہ کو ہرگز اسقدر نمائندگی نہ دی جائے کہ اُسے دیگر تمام فرقہ جات پر بہ حیثیت مجموعی کُلی اکثریت حاصل ہو۔ اور وہ یہ تجویز کرتے ہیں کہ اس اصول کا اطلاق دونوں۔ ہندو اکثریت کے صوبوں اور مسلم اکثریت کے صوبوں۔ نیز مرکزی اسمبلی میں کیا جائے۔

ڈاکٹر مذکور کا خیال ہے کہ ہندوستان میں آئین ساز اسمبلی کا بلایا جانا سراسر غیر ضروری ہے۔ چونکہ ہندوستان کا تقریباً تمام تر آئین ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں مفصل مندرج ہے۔ اب محض اُس ایکٹ میں سے اُن دفعات کو حذف کر دیا جائے جو ہندوستان کے درجہ نو آبادیات کے مانع ہیں۔

سرکاری نوکریوں میں موجودہ فرقہ دارانہ تناسب قائم رکھا جائے اور اسے قانون کی شکل دیدی جائے۔ انتظامیہ کونسلوں میں وہی فرقہ دارانہ تناسب ہو جو وہ لیجسلیٹو اسمبلیوں کے لئے تجویز کرتے ہیں۔ علاوہ بریں وہ یہ سفارش کرتے ہیں کہ اقلیتوں کو صوبائی و مرکزی انتظامیہ کونسلوں میں مزید رعائتیں دی جائیں۔ نیز پارلیمنٹری

سیکرٹری ایسے عہدوں پر اقلیتوں کے نمائندے مامور کئے جائیں۔ تاکہ انہیں خاطر خواہ نمائندگی ملے اور انکے خدشات کی تشفی ہو۔

انتظامیہ کونسل محض قانون ساز اسمبلی کی اکثریت پارٹی کے سامنے ہی جواب دہ نہ ہو بلکہ لیجسلیٹو اسمبلی کی تمام پارٹیوں کی نمائندہ ہو۔ نیز اسمبلی کو یہ اختیار نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ وہ انتظامیہ کونسل کو اسکے مجوزہ عرصہ حکومت سے پہلے برخاست کر سکے۔

نیز یہ تجویز کیا گیا ہے کہ اسمبلیوں میں وزرا اعظم اور دیگر اکثریت کے نمائندہ وزیروں کا انتخاب تمام اسمبلی کے ممبران مشترکہ طور پر کریں لیکن اقلیتوں کے نمائندہ وزیروں کا انتخاب محض انکی مخصوص پارٹی کے ممبران ہی کریں۔

ڈاکٹر امبیدکار مختلف جماعتوں کے درمیان مندرجہ ذیل نفری تناسب تجویز کرتے ہیں۔

مرکزی اسمبلی:۔

جماعت	تمام آبادی میں تناسب	اسمبلی میں نمائندگی کا تناسب
ہندو	54.68 فیصدی	40 فیصدی
مسلمان	28.5 "	32 "
دلت جاتیاں	14.3 "	20 "
ہندوستانی عیسائی	1.16 "	3 "
سکھ	1.49 "	4 "

اینگلو انڈین 0.5 فیصدی 1 فیصدی

(یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ امبیدکار صاحب نے پسماندہ نسلوں کے باشندوں کی تعداد کو ہندوستان کی مجموعی آبادی سے نکال دیا ہے)

صوبہ بمبئی میں :۔

ہندو	76.42 فیصدی	40 فیصدی
مسلمان	9.98 〃	28 〃
دلت جاتیاں	9.46 〃	28 〃
ہندوستانی عیسائی	1.75 〃	2 〃
اینگلو انڈین	0.07 〃	1 〃
پارسی	0.44 〃	1 〃

صوبہ پنجاب میں :۔

مسلمان	57.06 〃	40 〃
ہندو	22.17 〃	28 〃
سکھ	13.22 〃	21 〃
دلت جاتیاں	4.39 〃	9 〃
ہندوستانی عیسائی	1.71 〃	2 〃

ڈاکٹر امبیدکار کا خیال ہے کہ اکثریت کی حکومت کا اصول عملی طور پر بے انصافی پر مبنی ہے لہذا کسی اسمبلی میں اکثریت جماعت

کو ہرگز اتنی لفری نمائندگی نہیں دی جانی چاہیئے کہ وہ کسی معمولی اقلیت کے ممبران کو ہی ساتھ ملا کر حکومت چلا سکے۔ بلکہ اسکے برعکس اسمبلی میں مختلف پارٹیوں کے درمیان سیٹوں کی تقسیم کچھ اس طریق پر ہونی چاہیئے کہ اگر اقلیتیں چاہیں تو باہم ملکر اکثریت کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی گورنمنٹ بنا سکیں۔

متذکرہ بالا بیان سے معلوم ہوگا کہ امبیدکار صاحب کسی ایک اکثریت کو خواہ آبادی کے بلحاظ سے اسکی تعداد ۹۵ فیصدی ہی کیوں نہ ہو۔ ۴۰ فی صدی سے زیادہ نمائندگی دینے کے لئے تیار نہیں۔ جہاں یہ اصول سیاسی دنیا میں عجیب و غریب جدت ہے وہاں جمہوریت کے اصولوں کے سراسر خلاف اور عملی طور پر ناقابلِ عمل ہے۔ مثال کے طور پر صوبہ سرحد میں اسوقت ۹۰ فیصدی کے قریب مسلم آبادی ہے۔ اگر امبیدکار صاحب کی تجویز پر عمل کیا جائے تو وہاں مسلمانوں کو ۴۰ فیصدی سے زیادہ نمائندگی نہیں ملنی چاہیے اسکے مقابلہ میں غیر مسلم۔ ہندو اور سکھ۔ جو آبادی میں ۱۰ فیصدی مگر اسمبلی میں ۶۰ فیصدی نمائندگی حاصل کریں گے۔ باہم ملکر حکومت بنا سکیں گے۔ اسی طرح مدراس میں صرف ۹ فیصدی غیر ہندو ۶۰ فیصدی نمائندگی کے حقدار ہونگے۔ صوبہ سرحد میں ہندو راج ہو اور مدراس میں مسلمان راج! یہ خیال ناقابلِ عمل سہی لیکن دلچسپ ضرور ہے۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں جہاں جمہوری طرزِ حکومت رائج

ہے۔ ایسا کوئی اصول آجتک سُننے میں نہیں آیا کہ مصنوعی بند لگاکر اکثریت کو اقلیت اور اقلیت کو اکثریت میں تبدیل کر دیا جائے۔ بالکل اسی طرح جیسے راہ چلتے ایک دراز قد شخص کو کوئی ٹھنگنا مل جائے اور بدحواس ہوکر کہے دیکھئے صاحب مجھے آپ سے ڈر لگتا ہے۔ دراز قد شخص شریفانہ طور پر اُسے سمجھائے کہ دیکھو بھائی قدرت نے مجھے دراز قد بنا دیا۔ اسمیں میرا کوئی دوش نہیں لیکن میں ہرگز تمہیں کوئی ایزا نہیں دونگا۔ اُسکے باوجود ٹھنگنے میاں سہمے بیٹھے رہیں اور اسبات کا مطالبہ کریں کہ جب تک اس دراز قد شخص کے منہ میں لگام ڈالکر مجھے اسکے سر پر نہیں بٹھا دیا جاتا میں ڈرتا رہوں گا۔ تو اسمیں دراز قد شخص کا کیا قصور۔ نیز پست قد کا یہ مطالبہ بے ہودہ ہے۔

برطانوی حکومت کی نئی پیشکش

کیبنیٹ مشن نے دو ماہ کی لگاتار کوششوں اور مختلف سیاسی پارٹیوں سے مسلسل گفت و شنید کے بعد ہندوستان کو مندرجہ ذیل بیان کی صورت میں جو ۱۶ رمئی کو دہلی سے براڈ کاسٹ کیا گیا ایک نئی آئینی پیش کش کی ہے۔

۱۵ ر مارچ ۱۹۴۶ء کو وزارتی وفد کی ہندوستان کو روانگی سے کچھ عرصہ پہلے مسٹر اٹیلی وزیر اعظم برطانیہ نے مندرجہ ذیل الفاظ استعمال کیے تھے۔

"میرے رفیق کار اس ارادہ سے ہندوستان جا رہے ہیں۔ کہ وہ اسے جلد سے جلد اور زیادہ مکمل آزادی حاصل کرنے میں انتہائی مدد دیں۔ اس بات کا فیصلہ کرنا خود ہندوستان کا کام ہے کہ موجودہ نظام حکومت کی جگہ کس قسم کی حکومت قائم ہو۔ لیکن ہماری خواہش یہ ہے۔ کہ ہم اس کے لئے فوراً ایک ایسی مشینری

مہیا کرنے میں مدد دیں۔ جس کے ذریعہ وہ یہ فیصلہ کر سکے۔"

"مجھے امید ہے کہ ہندوستان اور اس کے لوگ برٹش کامن ویلتھ میں رہنا پسند کریں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ان کے لئے ایسا کرنا بہت مفید ہوگا۔ لیکن اگر وہ ایسا کرنا پسند کرے تو یہ خود اس کی اپنی آزاد رائے سے ہونا چاہیئے۔ برٹش کامن ویلتھ اور سلطنت برطانیہ کسی بیرونی دباؤ کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ آزاد لوگوں کی ایک آزاد جماعت ہے۔ اگر بصورت دیگر ہندوستان پوری طرح آزاد ہونا چاہے۔ تو ہماری رائے میں اسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے ہمارا کام یہ ہوگا۔ کہ ہم اسے یہ مرحلہ آسانی کے ساتھ طے کرنے میں مدد دیں۔"

سمجھوتہ نہ ہو سکا:۔ ۲۔ ان تاریخی الفاظ کی مدد سے عائد کردہ فرض کے پیش نظر ہم وزرائے کابینہ و والسرائے ہند نے انتہائی کوشش کی ہے کہ ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتیں اپنے ملک کی وحدت یا تقسیم کے بنیادی مسئلہ پر کسی سمجھوتے پر پہنچ سکیں۔ نئی دہلی میں طویل بحث و تمحیص کے بعد ہم اس بات میں کامیاب ہو گئے۔ کہ کانگریس اور مسلم لیگ شملہ میں ایک کانفرنس میں اکٹھے شامل ہوں۔ اس کانفرنس میں پورے طور پر تبادلۂ خیالات ہوا۔ اور دونوں جماعتیں کسی سمجھوتہ پر پہنچنے کی غرض سے ایک دوسرے کو کافی حد تک مراعات دینے کے لئے تیار تھیں۔ لیکن انجام کار دونوں جماعتوں کے باقیماندہ اختلافات کو دور کرنا ناممکن ثابت ہوا۔ چونکہ کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔ اس لئے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہم جدید آئین کے جلد از جلد مرتب کرنے کے لئے اپنے خیال کے مطابق بہترین تجاویز پیش کریں۔ یہ بیان ملک معظم کی حکومت کی پوری منظوری سے جاری

کیا جاتا ہے۔

عارضی گورنمنٹ:۔ ۳۔ لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ کوئی ایسا فوری انتظام کیا جائے جس کے ذریعہ اہل ہند ہندوستان کے آئندہ آئین کے بارے میں فیصلہ کر سکیں۔ اور جب تک نیا آئین قائم نہ ہو جائے۔ برٹش انڈیا کا انتظام چلانے کے لئے ایک عبوری (Interim) حکومت قائم کر دی جائے ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ ہم چھوٹی اور بڑی سب جماعتوں سے انصاف کریں۔ اور ایک ایسا حل پیش کر دیں۔ جو ہندوستان کی آئندہ حکومت کیلئے نہ صرف قابلِ عمل ہو۔ بلکہ اس کے دماغ کے لئے مستحکم بنیاد ثابت ہو۔ اور معاشرتی۔ سیاسی اور اقتصادی میدان میں اچھا موقع بہم پہنچائے۔

۴۔ اس بیان میں اس کثیر شہادت پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ جو مشن کے روبرو پیش کی گئی لیکن یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ اس شہادت سے یہ پایا گیا ہے۔ کہ حامیان مسلم لیگ کے علاوہ باقی تقریباً سب لوگوں کی یہ خواہش پائی گئی ہے کہ ہندوستان متحد رہے۔

پاکستان ناقابلِ عمل:۔ ۵۔ لیکن صرف اس بات نے ہمکو ہندوستان کی تقسیم کے مسئلہ پر پوری توجہ اور غیر جانبدارانہ طریق سے غور کرنے سے باز نہیں رکھا کیونکہ ہم مسلمانوں کی حقیقی اور زبردست تشویش سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔ جو ان کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہندو اکثریت کے راج کے تحت میں رہنے کے خیال سے تھی۔

مسلمانوں کا یہ احساس اس درجہ قوی اور عام ہو چکا ہے۔ کہ اسے محض کاغذی

تحفظات سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہندوستان میں امن قائم رکھنا ضروری ہے۔ تو ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں جن سے مسلمانوں کو ان کے تمام اہم تمدنی مذہبی۔ اقتصادی اور دوسرے معاملات پر پورا اختیار حاصل ہو۔

۶۔ اس لئے ہم نے سب سے پہلے مسلم لیگ کے مطالبہ کے مطابق ایک علیحدہ اور مکمل آزاد پاکستان کی ریاست کے مسئلہ پر غور کیا۔ یہ پاکستان دو حصوں پر مشتمل ہوگا۔ ایک شمال مغربی جس میں پنجاب۔ سندھ۔ صوبہ سرحد اور برٹش بلوچستان ہوں گے۔ دوسرا شمال مشرقی جس میں بنگال اور آسام کے صوبے شامل ہوں گے۔ لیگ حدبندی کے سوال پر بعد میں غور کرنے پر رضامند تھی۔ لیکن وہ اس بات پر مصر تھی۔ کہ پہلے پاکستان کا اصول تسلیم کر لیا جائے۔ پاکستان کی ایک الگ ریاست کی تجویز مندرجہ ذیل وجوہ پر مبنی تھی۔

(۱) مسلم اکثریت کا یہ حق کہ وہ اپنی حکومت کا اپنی مرضی کے مطابق خود فیصلہ کرے۔

(۲) ان علاقوں کی شمولیت کی ضرورت جن میں مسلمانوں کی اقلیت ہے تاکہ پاکستان انتظامی اور اقتصادی طور پر کامیابی کیساتھ چلایا جا سکے۔

پاکستان میں مندرجہ بالا چھ صوبوں کی غیر مسلم اقلیتوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی جیسا کہ ذیل کے اعداد و شمار سے ظاہر ہے۔

شمال مغربی علاقہ	مسلم	غیر مسلم
پنجاب	۱۶۳۰۱۷۰۲۴۲	۱۲۲۰۱۵۷۷
صوبہ سرحد	۲۷۸۸۰۷۹۷	۲۴۹۰۲۷

سندھ ۳۲۰،۸،۳۲۵ ۱۳،۲۶،۶۸۳

اس نقشہ میں آبادی کے تمام اعداد گذشتہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار سے لئے گئے ہیں۔

	مسلم	غیر مسلم
برٹش بلوچستان	۴،۳۸،۹۳۰	۶۲۷۰۱
ٹوٹل	۲،۲۶،۵۳،۲۹۴	۱۳،۸۴۰،۲۳۱
تناسب	۶۲۰۰۷%	۳۷،۹۳%

شمال مشرقی علاقہ

بنگال	۳۳،۰۵،۳۴	۲،۷۳-۱-۹۱
آسام	۳۴،۴۲،۴۷۹	۶۷،۶۲،۲۵۴
ٹوٹل	۳،۶۴،۴۰،۹۱۳	۳،۴۰،۲۳،۳۲۵
تناسب	۵۱،۶۹%	۴۸،۳۱%

باقی ماندہ برٹش انڈیا میں مسلم اقلیتیں دو کروڑ کے قریب ہیں۔ اور وہ کل اٹھارہ کروڑ اسی لاکھ کی آبادی میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان اعداد سے ظاہر ہے۔ کہ مسلم لیگ کی تجویز کے مطابق پاکستان کی علیحدہ خود مختار ریاست کے قیام سے فرقہ دارانہ اقلیت کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ نہ ہی ہمیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسے خود مختار پاکستان میں پنجاب، بنگال اور آسام کے وہ اضلاع شامل کئے جائیں جنکی آبادی زیادہ تر غیر مسلم ہے۔ ہمارے خیال میں ہر وہ دلیل جو پاکستان کے حق میں پیش کی جاسکتی ہے۔ وہ غیر مسلم علاقوں

کو پاکستان میں شامل کرنے کے خلاف بھی اُسی طرح پیش کی جا سکتی ہے۔ یہ معاملہ خاص طور پر سکھوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

۷۔ اسلیئے ہم نے اس بات پر غور کیا کہ آیا نسبتاً چھوٹا خود مختار پاکستان جسمیں صرف مسلم اکثریت کے علاقے شامل ہوں کسی سمجھوتہ کی بنیاد بن سکتا ہے۔ لیگ کے خیال میں اس قسم کا پاکستان قطعی نا قابل عمل ہے۔ کیونکہ :۔

(الف) اس کی وجہ سے پاکستان میں سے پنجاب کے سالم انبالہ اور جالندھر ڈویژن۔

(ب) سالم صوبہ آسام بہ استثنار ضلع سلہٹ اور۔

(ج) مغربی بنگال کا ایک بڑا حصہ بشمول کلکتہ جہاں مسلم آبادی ۲۳۰۶ فیصدی ہے خارج ہو جائیگا۔

ہم خود بھی اس بات کے قائل ہیں۔ کہ ہر وہ حل جس کا نتیجہ لازمی طور پر پنجاب اور بنگال کی بنیادی تقسیم ہو۔ وہ ان صوبوں کے باشندوں کی کثیر تعداد کی خواہشات اور مفاد کے خلاف ہو گا۔ بنگال اور پنجاب میں سے ہر ایک صوبہ کی اپنی علیحدہ عام زبان اور دیرینہ تاریخ اور روایات ہیں۔ مزید برآں پنجاب کی کسی تقسیم کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہو گا۔ کہ سکھ درمیانی حد کے دونو طرف دو خاصے بڑے حصوں میں تقسیم ہو جائینگے لہٰذا ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کیلیئے مجبور ہوئے ہیں۔ کہ نہ ہی کوئی بڑی اور نہ ہی کوئی چھوٹی خود مختار پاکستان ریاست فرقہ وارانہ مسئلہ کا کوئی قابل قبول حل پیدا کر سکے گی

۸۔ مندرجہ بالا دلائل کی اہمیت کے علاوہ زبردست انتظامی، اقتصادی اور فوجی وجوہات بھی ہیں۔ ہندوستان کا تمام تر سلسلہ آمد و رفت، ڈاک اور تار ایک متحدہ ہندوستان کے اصول پر قائم ہے انکو علیحدہ علیحدہ کرنے سے ہندوستان کے دونو حصوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ متحدہ دفاع کا مسئلہ اور بھی زیادہ اہم ہے ہندوستان کی کل ہتھیار بند فوجیں بہ ہئیت مجموعی ہندوستان کے دفاع کیلیئے قائم کی گئی ہیں۔ اور انہیں دو حصوں میں تقسیم کرنے سے ہندوستانی فوج کی دیرینہ روایات اور استعداد کے بلند معیار پر کاری ضرب لگیگی۔ اور یہ بہت زبردست خطرہ کا باعث ہوگی

۹۔ علاوہ ازیں ایک اور اہم سوال یہ بھی ہے۔ کہ ہندوستانی ریاستوں کو تقسیم شدہ برٹش انڈیا سے تعلقات قایم کرنے میں بہت زیادہ مشکل پیش آئے گی۔

۱۰۔ آخر میں یہ ایک جغرافیائی حقیقت ہے۔ کہ مجوزہ پاکستان کے دونو حصے ایک دوسرے سے سات سو میل علیحدہ ہوں گے اور جنگ اور امن کے زمانہ میں ان کا آپس میں رسل و رسائل کا سلسلہ ہندوستان کے رحم و کرم پر منحصر ہوگا

۱۱۔ لہذا ہم سلطنت برطانیہ کو یہ مشورہ نہیں دے سکتے کہ وہ طاقت جو اس وقت برطانیہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ بالکل علیحدہ علیحدہ خود مختار

حکومتوں کے سپرد کر دی جائے۔

۱۲۔ تاہم اس فیصلہ کی وجہ سے ہم اُن حقیقی خدشات کو نظر انداز نہیں کر سکے جو مسلمانوں کے دلوں میں اس بارہ میں پائے جاتے ہیں۔ کہ ان کی تہذیب و سیاسی اور معاشرتی زندگی خالص متحدہ ہندوستان میں جذب ہو جائیگی۔ جس میں ہندوؤں کو اپنے غلبۂ تعداد کی وجہ سے فوقیت حاصل ہو گی۔ ان خدشات کو دور کرنے کے لئے کانگرس نے ایک سکیم پیش کی ہے۔ جسکی رُو سے چند مرکزی امور مثلاً خارجی معاملات دفاع اور رسل و رسائل کے سوا صوبوں کو پورے اختیارات دیئے گئے ہیں۔

اس سکیم کے ماتحت اگر صوبے اقتصادی اور انتظامی معاملات میں وسیع پیمانے پر حصہ لینا چاہیں تو وہ مندرجہ بالا لازمی امور کے علاوہ کچھ اختیاری امور بھی مرکز کے حوالے کر سکتے ہیں۔

۱۱۔ ہماری رائے میں ایسی سکیم سے بڑی بھاری آئینی دشواریاں اور بے ضابطگیاں پیش آئیں گی۔ ایک ایسا انتظامیہ اور قانون ساز مرکز چلانا بہت مشکل ہے جس میں لازمی امور کے انچارج وزرا تو کل ہندوستان کے روبرو جوابدہ ہوں مگر اختیاری امور کے انچارج وزرا صرف ان صوبوں کے سامنے جوابدہ ہوں جنہوں نے ان امور کو مشترکہ رکھنا پسند کیا ہو یہ وقت زیادہ تر مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی میں پیش آئے گی جہاں یہ ضروری ہوگا کہ خاص خاص ممبران کو بولنے اور رائے دینے سے اس وقت باز رکھا جائے جب ان معاملات پر بحث ہو رہی ہو جن سے انکے صوبوں کا کوئی تعلق نہ ہو۔

ایسی سکیم کو چلانے کی دقت کے علاوہ ہم یہ بھی جائز نہیں سمجھتے کہ ان صوبوں کو جو اختیاری امور مرکز کے حوالہ کرنا نہیں چاہتے اس حق سے محروم کیا جائے کہ وہ آپس میں ایک گروپ اس مقصد کے لئے بنا سکیں یہ دراصل اپنے اختیارات کلی کو ایک خاص طریقہ سے استعمال کرنے کے مترادف ہوگا۔

ریاستوں کی پوزیشن :- ۱۴- اپنی سفارشات پیش کرنے سے پہلے ہم ریاستوں اور برطانوی ہندوستان کے باہمی تعلقات کے مسئلہ کو لیتے ہیں۔ یہ امر واضح ہے کہ جب برطانوی ہندوستان کو آزادی حاصل ہو جائے (خواہ وہ برٹش کامن ویلتھ میں رہے یا اس سے باہر) والیان ریاست اور سلطنت برطانیہ کے باہمی موجودہ تعلقات قائم نہیں رہ سکتے اقتدار اعلیٰ نہ تو تاج برطانیہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور نہ نئی حکومت کو منتقل کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات ہر ان تمام ریاستی نمائندوں نے تسلیم کی ہے جن سے ہم نے ملاقات کی ساتھ ہی انہوں نے ہمیں یہ یقین دلایا کہ ریاستیں ہندوستان کی نئی ترقی میں ہر طرح تعاون کرنے کیلئے بالکل تیار اور رضامند ہیں ان کا باہمی تعاون اس شکل میں ہو سکتا ہے یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو نئے آئین کا ڈھانچہ تیار کرتے وقت باہمی گفت و شنید سے طے ہو سکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب ریاستوں سے یہ معاہدہ یکساں ہوگا ہم نے اس وجہ سے ریاستوں پر اس تفصیل سے بحث نہیں کی جسطرح کہ ہم نے برطانوی ہند کے صوبوں پر مندرجہ ذیل فقرات میں کی ہے

نئی سکیم :- ۱۵- اب ہم ایک ایسے حل کی نوعیت پیش کرتے ہیں جو

ہمارے خیال میں تمام پارٹیوں کے ضروری مطالبات کے مطابق ہوگا اور ساتھ ہی تمام ہندوستان کے لیے ایک مستحکم اور قابل عمل آئین ہوگا۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ آئین کی بنیادی شکل حسب ذیل ہو۔

(۱) ہندوستان کی ایک یونین قائم کی جائے جس میں برٹش انڈیا اور ریاستیں شامل ہوں اور جسکے ماتحت امور خارجہ دفاع اور رسل و رسائل ہوں۔ اس یونین کو اختیار ہو کہ وہ ان محکموں کے اخراجات کے لئے مطلوبہ مالی وسائل مہیا کرے۔

(۲) یونین ایک اگزیکٹو اور ایک قانون ساز اسمبلی پر مشتمل ہو جس میں برٹش انڈیا اور ریاستوں کے نمائیندے شامل ہوں اس اسمبلی میں ہر اہم فرقہ دارانہ سوال کے تصفیہ کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ نہ صرف تمام ممبران جو حاضر ہوں اور رائے دے رہے ہوں ان کی اکثریت ہو بلکہ دونو بڑے فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کے جتنے ممبر موجود ہوں اور رائے دے رہے ہوں ان کی اکثریت ہو۔

(۳) یونین کے محکمہ جات کے علاوہ باقی تمام محکمے اور باقیماندہ اختیارات صوبہ جات کو حاصل ہوں۔

(۴) ریاستوں کو تمام امور پر اختیار ہوگا سوائے ان محکموں کے جو یونین کے سپرد کئے گئے ہوں۔

(۵) صوبوں کو یہ حق ہوگا کہ وہ اگزیکٹو اور قانون ساز اسمبلی کے ساتھ گروپ بنالیں اور ہر گروپ کو اختیار ہوگا کہ وہ جن

صوبائی امور کو چاہے مشترک رکھ لے۔

(۶) یونین اور گروپوں کے آئین میں ایک ایسی شرط رکھی جائے جس کی رو سے جو صوبہ چاہے اپنی لیجسلیٹو اسمبلی کی کثرت رائے سے آئین کی شرائط پر اولاً دس سال کے عرصہ کے بعد اور آئندہ ہر دس سال کے وقفہ کے بعد دوبارہ غور کرنے کیلئے تحریک کر سکے۔

۱۶۔ ہمارا مدعا مذکور بالا اصولوں پر کسی آئین کی جزئیات بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ہم ایک ایسی مشینری کو حرکت میں لانا چاہتے ہیں جس کے ذریعہ اہل ہند اپنے لئے خود کوئی آئین بنا سکیں۔

ہمارے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ آئندہ کے آئین کے واسطے ایک ایسا بنیادی اصول بنا دیں کیونکہ دوران گفتگو میں ہم پر یہ بات واضح ہو گئی تھی۔ کہ تاوقتیکہ ایسا نہ کیا گیا دونو بڑی جماعتیں کسی ایک آئین بنانے والی مشینری میں شامل نہ ہوں گی۔

آئین ساز اسمبلی :- ۱۷۔ اب ہم آئین ساز مشینری جس کا نفاذ ہم فوراً کرنا چاہتے ہیں پیش کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ ایک نیا آئین تیار کیا جا سکے۔

۱۸۔ کسی اسمبلی کے بنانے کے لئے جو نیا آئین تیار کر سکے پہلا سوال یہ ہے کہ وہ جہاں تک ہو سکے تمام آبادی کی صحیح اور وسیع نمائندگی کر سکے۔ بظاہر سب سے زیادہ تسلی بخش طریق یہ ہوگا کہ ہر بالغ کو حق نمائندگی حاصل ہو لیکن اس قسم کا طریق نئے آئین کے بنانے کے لئے قطعی طور پر ناقابل قبول تاخیر

کا باعث ہوگا۔ قابل عمل طریقہ صرف یہ ہے کہ حالی کی منتخب شدہ صوبائی اسمبلیوں سے نمائندے منتخب کرنے کا کام لیا جائے۔ مگر اس سلسلہ میں ان کی تشکیل میں دو مشکلات ہیں۔ اول یہ کہ صوبائی لیجسلیٹو اسمبلیوں کے ممبران کی تعداد ہر صوبہ کی آبادی کے تناسب کے مطابق نہیں ہے۔ مثلاً آسام میں جسکی آبادی ایک کروڑ ہے۔ لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبران کی تعداد ۱۰۸ ہے اور بنگال میں جس کی آبادی اس سے چھ گنا ہے اسمبلی کے ممبران کی تعداد صرف ۲۵۰ ہے"

دوم کمیونل ایوارڈ کے مطابق جو زیادہ نمائندگی اقلیتوں کو دی گئی ہے اس کا اثر یہ ہے کہ ہر ایک صوبہ کی اسمبلی میں مختلف قوموں کے ممبران کی تعداد ان کی آبادی کے تناسب کے مطابق نہیں ہے۔ مثال کے طور پر بنگال اسمبلی میں مسلمان ممبروں کی تعداد صرف ۴۸ فیصدی ہے حالانکہ آبادی کے لحاظ سے ان کی تعداد ۵۵ فیصدی ہے۔ ان مختلف طریقوں پر پورے غور و خوض کے بعد جن سے یہ خامیاں دور کی جاسکتی ہیں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سب سے زیادہ منصفانہ اور قابل عمل طریق مندرجہ ذیل ہوگا۔

(ا) ہر صوبہ کو اس کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے نشستیں بحساب ایک نشست فی دس لاکھ آبادی دی جائے۔ یہ تجویز بالغ اشخاص کی رائے دہندگی کی نیابت کے لئے تقریباً بدل ہوسکتی ہے۔

(ب) ہر ایک صوبہ میں بڑی بڑی قوموں کے مابین ان صوبائی نشستوں کی تقسیم ان کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے کی جائے۔

(ج) اس بات کا انتظام کیا جائے کہ کسی صوبہ میں ہر ایک قوم کے لئے مقررکردہ نمائندے اس قوم کے لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبروں کی طرف سے منتخب کئے جائیں۔

ہماری رائے میں یہ کافی ہوگا کہ اس مقصد کے لئے ہندوستان کی بڑی قومیں صرف تین تسلیم کی جائیں۔

جنرل، مسلم اور سکھ۔ جنرل فرقہ سے مراد ہر وہ شخص ہوگا جو مسلمان یا سکھ نہیں ہے چونکہ چھوٹی اقلیتوں کو بلحاظ آبادی کوئی نمائندگی حاصل نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ زیادہ نمائندگی کا حق جو انہیں صوبائی اسمبلیوں میں حاصل ہے کھو بیٹھیں گی ہم نے ان کے لئے فقرہ (۲۰) میں ایسی تجویز کی ہے جس کی رو سے ان کو اقلیتوں سے خاص طور پر متعلقہ امور میں پوری نمائندگی حاصل ہو سکے گی۔

نمائندگی کا تناسب:- ۱۹-(۱) اس لئے ہم تجویز کرتے ہیں کہ ہر صوبائی اسمبلی میں سے نمائندگان کی حسب ذیل تعداد ہو اور لیجسلیچر کا ہر حصہ (جنرل مسلم یا سکھ) اپنے اپنے نمائندے اس طور پر منتخب کرے کہ ان کا انتخاب تناسب کے لحاظ سے بذریعہ واحد منتقل ہونے والی ووٹ ہو سکے۔

نقشہ نمائندگی

سیکشن (الف)

صوبہ	جنرل	مسلم	میزان
مدراس	۴۵	۴	۴۹

بمبئی	۱۹	۲	۲۱
یوپی	۴۷	۸	۵۵
بہار	۳۱	۵	۳۶
سی پی	۱۶	۱	۱۷
اوڑلیسہ	۹	-	۹
میزان	۱۶۷	۲۰	۱۸۷

سیکشن (ب)

صوبہ	جنرل	مسلم	سکھ	میزان
پنجاب	۸	۱۶	۴	۲۸
صوبہ سرحد	-	۳	-	۳
سندھ	۱	۳	-	۴
میزان	۹	۲۲	۴	۳۵

سیکشن (ج)

صوبہ	جنرل	مسلم	میزان
بنگال	۲۷	۳۳	۶۰
آسام	۷	۳	۱۰
میزان	۳۴	۳۶	۷۰

میزان برٹش انڈیا - ۲۹۲

ہندوستانی ریاستوں کیلئے زیادہ سے زیادہ نمائندے ۹۳

میزان ۳۸۵

نوٹ:۔ چیف کمشنروں کے صوبوں کو نمائندگی دینے کی غرض سے سیکشن (الف) میں سنٹرل اسمبلی کا صوبہ دہلی کا نمائندہ اور اجمیر مارواڑہ کا سنٹرل اسمبلی کا نمائندہ اور ایک نمائندہ کورگ لیجسلیٹو اسمبلی کا شامل ہوگا۔ سیکشن (ب) میں برٹش بلوچستان کا ایک نمائندہ شامل کیا جائے گا۔

ریاستوں کی نمائندگی:۔ (ii) تجویز یہ ہے کہ ریاستوں کو مکمل شدہ کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی میں مناسب نمائندگی دی جائے یہ نمائندگی حساب و شمار کے اُس طریق کے لحاظ سے جو برٹش انڈیا کے لیئے اختیار کیا گیا ہے ۹۳ سے زیادہ نہیں ہو گی۔ لیکن انتخاب کا طریقہ مشاورت سے طے کیا جائیگا۔ ابتدائی مرحلہ پہ ریاستوں کی نمائندگی ایک گفت و شنید کرنیوالی کمیٹی ——— Negotiating committee کے ذریعہ ہو گی۔

(iii) اس طرح منتخب شدہ نمائندے جلد از جلد دہلی میں اکٹھے ہونگے۔

(iv) ایک ابتدائی اجلاس منعقد کیا جائے گا جس میں عام طریق کار کے متعلق فیصلہ کیا جائیگا ایک صدر اور دیگر اراکین کا انتخاب ہوگا اور ایک مشاورتی کمیٹی۔ (Advisory committee) (ملاحظہ ہو فقرہ (۲۰)) مقرر کی جائے گی۔ جو کہ شہریوں، اقلیتوں، قبائلی اور خارج شدہ علاقوں (Excluded areas) کے حقوق کے متعلق قائم کی جائے گی۔ اس کے بعد صوباتی نمائندے تین سیکشنوں میں تقسیم ہوں گے۔ جو اسی بڑے فقرہ کے ضمنی فقرہ (i) میں نقشہ نمائندگی (الف) (ب) اور (ج) میں درج ہیں۔

(۷) یہ سیکشن اپنے اپنے صوبوں کے صوبائی آئین تیار کریں گے۔ اور یہ بھی فیصلہ کریں گے۔ کہ آیا ان صوبوں کے لئے کوئی گروپ دار آئین تیار کیا جائے اور اگر کیا جائے تو کون کون سے صوبائی محکمے اس میں شامل کئے جائیں۔

صوبوں کے تین گروہ: تحتی ضمن (۷iii) ذیل کے شرائط کے مطابق صوبوں کو گروپوں سے علیحدہ ہو جانے کا اختیار ہو گا۔

(۷i) سیکشنوں اور ہندوستانی ریاستوں کے نمائندے یونین کا آئین بنانے کے لئے جمع ہونگے۔

(۷ii) یونین کی کانسٹی چیوینٹ ——— constituent) اسمبلی میں فقرہ نمبر ۱۵ مندرجہ بالا کی شرائط میں ردوبدل کرنے کی تجویز یا کسی اہم فرقہ دارانہ مسئلہ اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہو گا۔ کہ دونو بڑی قوموں کے جو نمائندے موجود ہوں اور ووٹ دے رہے ہوں ان کی اکثریت ہو۔

اسمبلی کا صدر یہ فیصلہ کرے گا کہ کونسی تجویز میں (اگر کوئی ہو) اہم فرقہ دارانہ مسائل پیدا ہوتے ہیں اور اگر بڑی قوموں میں سے کسی قوم کے نمائندوں کی اکثریت یہ درخواست کرے تو صدر کا فرض ہو گا کہ اپنا فیصلہ دینے سے پہلے فیڈرل کورٹ سے مشورہ کرے۔

(۷iii) جونہی جدید آئینی انتظامات عمل میں آ جائیں تو ہر ایک صوبہ کو اختیار ہو گا کہ وہ جس گروپ میں شامل کیا گیا ہے اس سے الگ ہو جائے ایسا فیصلہ جدید آئین کے نتائج پہلا عام انتخاب ہو چکنے کے بعد صوبہ کی جدید

مجلس آئین ساز کریگی۔

۲۰۔ مشاورتی کمیٹی جو شہریوں۔ اقلیتوں قبائلی اور خارج شدہ علاقوں کے حقوق کے لیئے مقررہ ہوگی۔ اس میں جن حقوق کی حفاظت ضروری ہے انکو پوری نمائندگی دی جائے گی اور ان کا فرض ہوگا کہ یونین کی کانسٹی چیوینٹ اسمبلی کے سامنے بنیادی حقوق کی فہرست اقلیتوں کی حفاظت کے متعلق تجاویز اور قبائلی اور خارج شدہ علاقوں کے انتظام کے متعلق سکیم پیش کریں اور مشورہ دیں کہ آیا یہ حقوق صوبائی یا گروپ یا یونین کانسٹی ٹیوشن میں شامل کیئے جائیں۔

۲۱۔ ہز ایکسیلینسی والسرائے فی الفور صوبائی قانون ساز جماعتوں سے کہیں گے کہ وہ اپنے نمائندے منتخب کریں۔ اور ریاستوں سے بھی کہیں گے کہ وہ ایک گفت وشنید کرنے والی کمیٹی (Negotiating committee) مقرر کریں۔ امید کی جاتی ہے کہ دستور سازی کا طریق عمل جہاں تک حالات کی پیچیدگیاں اجازت دیں۔ حتی الامکان جلد ہی عمل میں لایا جا سکتا ہے تاکہ درمیانی وقفہ حتی الامکان کم ہو سکے۔

آزاد ہند اور برطانیہ کے درمیان معاہدہ:۔ ۲۲۔ یونین کانسٹی چیوینٹ اسمبلی اور سلطنت متحدہ انگلستان کے مابین ایک ایسے معاہدہ کے متعلق گفت وشنید کا اجرا ضروری ہوگا جس میں انتقال اختیارات کی وجہ سے پیدا ہونے والے معاملات کے تصفیہ وغیرہ کا انتظام کیا جائے گا۔

۲۳۔ آئین سازی کے کام کے دوران میں ہندوستان کے نظم ونسق کو

جاری رکھنا ضروری ہے۔

اس لئے ہم ایک ایسی فوری اینٹرم گورنمنٹ کے قیام کو جسے بڑی سیاسی پارٹیوں کی تائید حاصل ہو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اس درمیانی عرصہ کے دوران میں لازم ہے کہ تمام پارٹیوں میں ان تمام مشکل امور کی سرانجام دہی کے لئے جو گورنمنٹ آف انڈیا کو درپیش ہیں۔ انتہائی تعاون ہو۔ روزمرہ کے تنظیم و نسق کے اہم کام کے علاوہ قحط کے سخت خطرے کا مقابلہ بھی کرنا ہے۔ نیز ترقیات بعد از جنگ کے بہت سے ایسے مسائل کا فیصلہ بھی درپیش ہے جن کا ہندوستان کے مستقبل پر دور رس اثر پڑے گا۔ نیز ایسی اہم بین الاقوام کانفرنسیں بھی ہو رہی ہیں۔ جن میں ہندوستان کی نیابت لازمی ہے۔ ان تمام مقاصد کے لئے ایک ایسی گورنمنٹ کا ہونا ضروری ہے۔ جسکو عوام کی تائید حاصل ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لئے والسرائے ہند نے ابھی سے مذاکرات شروع کر دئیے ہیں اور وہ امید رکھتے ہیں، کہ وہ جلد ہی ایک ایسی انٹرم (Interim) گورنمنٹ بنا لیں گے۔ جن میں تمام محکمہ جات بشمول محکمہ دار (جنگ) معتبر ایسے ہندوستانی لیڈروں کے سپرد کر دئیے جائیں گے۔ جنہیں لوگوں کا پورا اعتماد حاصل ہوگا۔ گورنمنٹ آف انڈیا میں تبدیلیوں کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے حکومت برطانیہ اس حکومت کے ساتھ جو اس طرح تشکیل میں لائی جائے گی۔ پورا پورا تعاون کرے گی۔ تاکہ اس کے تنظیم و نسق کے امور کی تکمیل اور انتقال اختیارات کا کام جہاں تک ممکن ہو۔ جلد از جلد اور آسان طریق سے ہو سکے۔

ملک سے اپیل - ۲۴۔ ہندوستان کے لیڈروں اور لوگوں سے جن کو اب پوری خود مختاری حاصل کرنے کا موقع مل رہا ہے ہم آخیر میں کہیں گے کہ ہمیں ہماری گورنمنٹ اور ہمارے ملک کے لوگوں کو یہ امید تھی کہ خود ہندوستان کے لوگوں کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ اس جدید دستور اساسی کے بنانے کے طریق پر متفق ہو جائیں گے جس کے ماتحت انہیں زندگیاں بسر کرنا ہے۔ لیکن ان مساعی کے باوجود جو ہم نے ہندوستانی پارٹیوں کے ساتھ شامل ہو کر کی ہیں۔ اور باوجود اس صبر و تحمل اور باہمی خیر سگالی کے جس سے ہم نے کام لیا ہے۔ یہ مقصد پورا نہیں ہو سکا۔ اس لئے اب تمام جماعتوں کے خیالات کو سننے اور اُن پر گہرا غور و خوض کرنیکے بعد آپ کے سامنے یہ تجاویز پیش کرتے ہیں۔ جن سے ہمیں یقین ہے کہ آپ تھوڑے سے عرصہ میں اور کسی اندرونی مفاد اور جھگڑے کے خفیف سے خفیف خطرے کے بغیر اپنی آزادی حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تجاویز سب پارٹیوں کے لئے پورے طور پر تسلی بخش نہ ہوں لیکن آپ ہمارے ساتھ ملکر یہ تسلیم کرینگے کہ ہندوستان کی تاریخ میں اس اہم موقع پہ تدبّر کا تقاضا یہی ہے کہ باہمی رواداری سے کام لیا جائے۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان تجاویز کو قبول نہ کرنے کی صورت میں جو صورت رونما ہوگی اُس پر بھی غور فرمائیں۔ ان تمام کوششوں کے بعد جو ہم نے اور ہندوستانی پارٹیوں نے مل کر باہمی مفاہمت کے لئے کی ہیں۔ ہم صاف طور پر کہدینا چاہتے ہیں کہ ہماری رائے میں اس بات کی بہت کم امید ہے کہ ہندوستانی پارٹیاں بطور خود باہمی مفاہمت

کے ذریعہ کسی پُرامن تصفیہ پر پہنچ سکتی ہیں۔ لہٰذا اسکی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے۔ کہ تشدد۔ بے نظمی بلکہ خانہ جنگی رونما ہو جائے۔ یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ کہ ایسی بدامنی کا نتیجہ کیا ہوگا، اور وہ کب تک رہے گی لیکن یہ یقینی امر ہے کہ یہ بدامنی لکھوکھہا مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیئے نہایت ہی خوفناک تباہی کا باعث ہوگی یہ ایک ایسی امکانی صورت ہے۔ جسے اہل ہند، ہمارے ہم وطن اور تمام دنیا بہ حیثیت مجموعی یکساں طور پر نفرت کی نظر سے دیکھے گی۔ اس لیئے ہم یہ تجاویز آپکے سامنے اس قومی امید کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ کہ آپ انھیں اُسی جذبہ رواداری اور خیر سگالی سے جس میں یہ پیش کی جا رہی ہیں قبول کریں گے اور ان پر عمل پیرا ہوں گے۔ ہم ان تمام لوگوں سے اپیل کرتے ہیں جنکو ہندوستان کی آئندہ بہبودی کا خیال ہے کہ وہ اپنی نگاہ اپنی قوم کے فائدہ تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ ہندوستان کے ۴۰ کروڑ باشندوں کے مفاد کو ملحوظ رکھیں۔

ہمیں امید ہے کہ نیا خود مختار ہندوستان برٹش کامن ویلتھ کا ایک ممبر بننا پسند کریگا۔ بہرحال ہمکو امید ہے کہ آپ ہمارے لوگوں کے ساتھ گہرا اور دوستانہ ربط قائم رکھیں گے لیکن ان امور کا انحصار آپ کی اپنی آزادانہ مرضی پر ہے۔ آپکا جو فیصلہ بھی ہو۔ آپکی طرح ہماری خواہشات بھی یہی ہیں۔ کہ آپ دنیا کی بڑی بڑی اقوام کے دوش بدوش روز افزوں خوشحالی حاصل کریں اور آپ کا مستقبل آپکے ماضی سے بڑھ چڑھ کر روشن ہو۔

نئی دہلی سے ١٦ رمئی کو وزیر ہند نے آل انڈیا ریڈیو سے مندرجہ ذیل تقریر نشر کی ہے:۔ میں آپ کے سامنے جو تقریر نشر کرنے والا ہوں۔ وہ ہندوستان کی عظیم قوم کے مستقبل کے متعلق ہے ہندوستان کی پولیٹکل پارٹیوں کے لیڈروں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندوستانیوں کے دلوں میں آزادی کی بے پایاں خواہش پائی جاتی ہے۔ ملک معظم کی گورنمنٹ اور برطانیہ کے لوگ ہندوستان کو برطانوی کامن ویلتھ کے اندر یا باہر حسب مطلوبہ آزادی دینے کے لئے تیار ہیں۔ اور امید کرتے ہیں۔ کہ اس طریقہ سے ہندوستان اور برطانیہ کے

درمیان مکمل مساوات کی بنا پر دیرپا دوستی اور تعلق قائم ہو جائے گا۔ دو مہینے ہوئے ہیں مجھے بطور وزیر ہند اور میرے دو ساتھیوں سر سٹیفورڈ کرپس اور مسٹر اے وی الیگزینڈر کو ہندوستان بھیجا گیا" تاکہ ہم وائسرائے کو ایسی مشینری بنانے میں مدد دے سکیں۔ جس کے ذریعہ ہندوستان اپنی کانسٹی ٹیوشن بنا سکے۔

ہمارے سامنے مشکل:۔ ہمارے سامنے اچانک ایک بڑی مشکل پیدا ہو گئی دو بڑی پولیٹیکل پارٹیاں مسلم لیگ (جس نے انتخابات میں مسلم نشستوں کی بھاری اکثریت حاصل کی ہے) اور کانگرس میں مشینری کی نوعیت کے متعلق سخت اختلاف رائے تھا مسلم لیگ نے مطالبہ کیا۔ کہ برطانوی ہندوستان کو دو خود مختار خطوں میں تقسیم کر دیا جائے لیگ کے نمائندوں نے کہا۔ کہ جب تک پیشگی ان کا تقسیم کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا جائیگا۔ وہ کانسٹی ٹیوشن بنانے والی باڈی میں حصہ نہیں لیں گے۔ برعکس اس کے کانگریس نے متحدہ ہندوستان پر زور دیا ہندوستان میں قیام کے دوران میں ہم نے ان دونوں پارٹیوں میں سمجھوتہ کرانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ تاکہ ہندوستان کی کانسٹی ٹیوشن کے کام کو زیر ترتیب لایا جا سکے۔ حال ہی میں ہم نے دونو پارٹیوں کے نمائندوں کو شملہ میں بلایا۔ اگرچہ اس کانفرنس میں دونوں پارٹیاں خصوصی رعایات دینے کے لئے تیار تھیں۔ لیکن ان میں سمجھوتہ ممکن نہ ہو سکا۔ ان دریں حالات ہم خود فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ تاکہ دونوں پارٹیوں کے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے کانسٹی ٹیوشن بنانے والی اسمبلی کو فی الفور حرکت میں لایا جا سکے۔ ہمیں مسلم لیگ کے

اس خدشہ کا احساس ہے کہ متحدہ ہندوستان میں ان کی جماعت جو اپنا علیحدہ کلچر اور طریق زندگی رکھتی ہے۔ ہندو اکثریت کی حکومت میں مدغم ہو کر نہ رہ جائے۔ لیکن ہم مسلم لیگ کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کرتے۔ کہ فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کے لئے علیحدہ ایک خود مختارانہ حکومت قائم ہو۔ چونکہ یہ خطہ صرف مسلمانوں پر مشتمل نہیں ہوگا۔ اس میں دیگر اقلیتوں کی ٹھوس آبادی بھی ہو گی۔ جس کی اوسط آبادی چالیس فیصدی ہو گی۔ اور بعض حلقوں میں انہیں اکثریت بھی حاصل ہو گی، مثال کے طور پر کلکتہ کو لیجئے۔ وہاں مسلمانوں کی آبادی ایک تہائی سے بھی کم ہے۔ علاوہ ازیں اگر پاکستان کو علیحدہ کر دیا جائے۔ تو فوج کے دو حصوں میں منقسم ہو جانے سے ملک کا ڈیفنس بھی خطرے میں پڑ جائے گا اس لئے ہم اس تجویز کو منظور کرنے کی سفارش نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ انہی بنیادوں پر جس سے مسلمانوں کو پاکستان کے فوائد حاصل ہو جائیں۔ اور ہندوستان کی تقسیم کے خطرات شامل نہ ہوں۔ ہندوستان کی تمام پارٹیوں کو کانسٹی ٹیوشن کی ترتیب میں شمولیت کی دعوت دی جائے چنانچہ وائسرائے دہلی میں برطانوی ہندوستان کے نمایندوں کو مدعو کریں گے ان نمائندوں کو پراونشل اسمبلیاں منتخب کریں گی۔ اور ہر دس لاکھ آبادی کیلئے ایک نمایندے کو کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی میں لیا جائیگا۔ ابتدائی بات چیت کے بعد صوبوں کے نمایندے اپنے آپ کو تین سیکشنوں میں تقسیم کریں گے۔ اور اگر صوبوں میں آپس میں سمجھوتہ ہو گیا۔ تو ان کے تین گروپ بن سکتے ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اس مشینری میں بڑی بڑی اقلیتوں کے

سوائے دیگر اقلیتوں کو موثر نمایندگی نہیں دیگئی۔ اس لئے ہم ایک اسپیشل کمیٹی قائم کرنے کا انتظام کر رہے ہیں۔ اس کمیٹی میں اقلیتیں اہم پارٹ ادا کرینگی۔ اس کمیٹی کا کام اقلیتوں کے بنیادی حقوق کا تصفیہ کرنا ہوگا۔ اور ان امور کو کانسٹی ٹیوشن میں جگہ دی جائے گی۔ ہماری سفارشات کا مقصد تین گروپوں کی کانسٹی ٹیوشن بنانا ہے۔ ان کے اوپر ہندوستان کا یونین ہوگا جس کے سامنے لیجسلیچر ہوگا۔ غیر ملکی معاملات ڈیفنس اور رسل و رسائل اور فنانس جو سروسز کے لئے ضروری ہو۔ اس کے ماتحت ہوگا۔ سب سے نیچے صوبے ہوں گے۔ جنہیں اپنے معاملات میں مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

وائسرائے کا اعلان

نئی دہلی ۱۷ ار مئی وائسرائے نے ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔
"میں ایسے وقت پر ہندوستانی لوگوں کے نام تقریر کر رہا ہوں جو ہندوستان
کی تاریخ میں بہت نازک ہے۔ وزراتی مشن کا اعلان اب آپ کے سامنے
ہے۔ یہ آزادی کا خاکہ ہے۔ اب تفاصیل طے کرنا اور عمارت کو کھڑا کرنے
کا کام آپ کے نمائندوں کا ہے۔ آپ میں سے اکثر اس اعلان کو پڑھ
چکے ہوں گے اور اس کے بارے میں اپنی رائے بھی قائم کر چکے ہوں گے
اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کو اس بلندی یعنی ہندوستان کی آزادی کی طرف
جانا ہے۔ جس کے لئے آپ کی دیرینہ خواہش ہے تو مجھے یقین ہے کہ
آپ اسے منظور کریں گے۔ اگر آپ کا فیصلہ اس کے خلاف ہو اگرچہ مجھے

اُمید ہے کہ ایسا نہیں ہوگا تو میں آپ سے کہوں گا کہ آپ اسے دوبارہ پڑھیں اور معلوم کریں کہ جو راستہ آپکو دکھایا گیا ہے کیا وہ ان زبردست مشکلات کو دور نہیں کرتا جو اس وقت آپ کے راستہ میں حائل ہیں۔ میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ یہ سفارشات سخت محنت۔ مخلصانہ مطالعہ اور گہرے سوچ وچار کے بعد کی گئی ہیں۔ اور ان کے کرتے ہوئے ہم نے پوری خلوص دلی سے کام لیا ہے۔ ہم چاہتے تھے کہ ہندوستانی لیڈر باہمی سمجھوتہ پر پہنچیں اور ہم نے اسکے لئے ہر ممکن کوشش بھی کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔

جو تجاویز آپ کو پیش کی گئی ہیں۔ وہ ایسی ہیں کہ اگر پارٹیوں پر چھوڑ دیا جاتا۔ تو وہ خود انہیں تجویز کرتیں۔ ان میں ہندوستان کی وحدت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو اپنے مذہبی۔ تعلیمی تمدنی۔ اقتصادی اور دوسرے مفاد کی نگہداشت کرنے کا حق بھی دیا گیا ہے۔ سکھوں کے ہوم لینڈ پنجاب کی ایکتا بھی برقرار رکھی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اقلیتوں کو اپنے مفادات کے تحفظات کا موقعہ اقلیتوں کی کمیٹی کی صورت میں دیا گیا ہے۔ . . . . جیسا کہ مشن کے اعلان میں کہا گیا ہے۔ میرے ذمہ عارضی گورنمنٹ قائم کرنیکا کام سپرد کیا گیا ہے مجھے اُمید ہے کہ اس بارے میں کسی بھی شخص کو کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوگا۔ کہ یہ گورنمنٹ سیلف گورنمنٹ کی طرف بہت بڑا قدم ہوگا۔ یہ گورنمنٹ گورنر جنرل کے علاوہ خالص ہندوستانی گورنمنٹ ہوگی۔ اور

اس میں ہندوستان کے ایسے مسلّمہ لیڈر ہوں گے۔ جن کے اقتدار۔ جن کی قابلیت اور جن کی خواہش خدمت کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ اس قسم کی گورنمنٹ کو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بیرون دنیا میں بڑا اثر و رسوخ حاصل ہوگا۔ اس وقت تک ہندوستان کی جو قابلیت مخالفت میں صرف ہوتی رہی ہے۔ وہ اب تعمیری کام میں صرف ہوگی۔ اس گورنمنٹ میں شامل ہونے والے یہ لوگ نئے ہندوستان کے معمار ہوں گے۔

ہمیں جس پیچیدہ صورت حالات کا سامنا ہے۔ اُس میں چار بڑی پارٹیاں ہیں۔ برطانیہ۔ برطانوی ہند کی دو بڑی پارٹیاں یعنی ہندو اور مسلمان۔ چوتھی پارٹی ریاستیں ہیں۔ ہندوستان کی بہتری کے لئے ان چاروں پارٹیوں کے نظریہ میں کافی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اور میں آپ پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے انتخاب پُر امن زندگی اور خانہ جنگی تعاون اور نفاق کے درمیان ہے مجھے یقین ہے۔ کہ آپ تعاون کے حق میں فیصلہ دینے میں ہچکچاہٹ نہیں کریں گے۔

مزید وضاحت

وزیر ہند کی طرف سے دی گئی ایک پریس کانفرنس میں نئی پیش کش کی وضاحت میں اخبار نویسوں نے لارڈ پیتھک لارنس سے ایکسو کے قریب سوالات کئے۔ پیش کش کی خاطر خواہ وضاحت کیلئے ان سوالات اور جوابات کا مطالعہ ضروری ہے۔

سوال۔ صوبوں کو اپنے گروپ سے علیحدگی کا حق دیا گیا ہے۔ کیا صوبوں کو کسی خاص مدت کے بعد مثال کے طور پر دو سال کے بعد یونین سے الگ ہونے کا حق حاصل ہو گا۔

جواب۔ صوبوں کو دو سال کے عرصہ کے بعد یونین سے الگ ہونے کا حق نہیں ہو گا انہیں دس سال کے بعد آئین میں تبدیلی کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہو گا۔

سوال :۔ مثال کے طور پر آسام کے سوال کو لیجیئے۔ وہاں کانگریس کی وزارت ہے۔ اگر آسام بنگال کے ساتھ جہاں مسلم لیگ وزارت ہے گروپ بنانے کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو کیا آسام کو کسی اور گروپ میں شامل ہونے کی اجازت ہو گی۔

جواب :۔ گروپ سے الگ ہونے کا حق شروع میں نہیں بلکہ بعد میں ہے اس حق کو استعمال کرنےسے پہلے پورا خاکہ سمجھنا ہو گا۔

سوال ۔ اگر کوئی صوبہ ایک گروپ سے الگ ہونے کے حق کا استعمال کرتا ہے تو کیا اسے دوسرے گروپ کے ساتھ شامل ہونے کا حق ہو گا۔

جواب ۔ اگر صوبہ کو ایک سیکشن سے الگ ہو کر دوسرے سیکشن میں جانے کا حق دیدیا جائے تو پھر یہ بھی سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا دوسرا سیکشن اس صوبہ کو لینے کے تیار بھی ہے اگر دوسرا سیکشن انکار کر دے تو عجیب صورت حالات پیدا ہو جائے گی۔ وزارتی مشن کے اعلان میں اس سوال کا جواب نہیں دیا گیا۔ مگر نمائندہ اسمبلی اسکو مناسب طور پر حل کرنے کی مجاز ہو گی۔

سوال ۔ اگر کوئی صوبہ اپنے گروپ سے باہر رہنا چاہئے تو کیا وہ باہر رہ سکتا ہے ؟

جواب ۔ صوبے خود بخود ہی اے ۔ بی ۔ اور سی سیکشن میں آجاتے ہیں پہلے پہل تو انہیں اپنے مقررہ سیکشنوں میں شامل ہونا ہی ہو گا ۔ اور یہ

سیکشن ہی یہ فیصلہ کرینگے کہ آیا گروپ بنائے جائیں یا نہ اور انہیں کیسا آئین بنانا چاہیئے۔ گروپ سے علیحدہ ہونے کے حق کا سوال آئین کے مرتب ہونے کے بعد اس آئین کی بنا پر پہلے انتخابات کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔

سوال۔ ایک کلاز یہ بھی ہے جسکی رو سے کوئی بھی صوبہ دس سال کے بعد اپنی اسمبلی کی اکثریت کے ووٹوں سے پہلے دس سال کے بعد آئین پر نظر ثانی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ کیا گروپ سے الگ ہونے کا حق بھی استعمال کرنے پر غور ہو سکتا ہے۔

جواب۔ اگر آپ آئین کو تبدیل کرتے ہیں تو یہ واضح ہے کہ سارے آئین کی بنا پر ہی غور ہوگا۔ کوئی بھی صوبہ آئین پر نظر ثانی کا مطالبہ کر سکتا ہے اور جہاں تک میں سوچ سکتا ہوں جب نظر ثانی ہوگی تو آئین سے متعلقہ تمام سوالات پر پھر بحث ہوگی۔

سوال:۔ سیکشن بی مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ اگر اس کے صوبوں نے گروپ بنانے کا فیصلہ کیا اور یونین میں آنے کے خلاف فیصلہ کیا تو پوزیشن کیا ہوگی۔

جواب :۔ یہ فیصلہ اس شرط کی خلاف ورزی ہوگی جس کے ماتحت اس سیکشن کے صوبے اکٹھے ہوئے اور اگر اس فیصلے پر زور دیا گیا تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ ساری آئین ساز مشینری ہی ٹوٹ جائیگی۔

سوال:۔ کیا سیکشن بی کے صوبے دس سال کے بعد الگ خود مختار ریاست

بنانے کا فیصلہ کرنیکے مجاز ہوں گے۔

جواب:- اگر آئین پر نظر ثانی ہو رہی ہے تو لازمی طور پر نظر ثانی کی تمام تجاویز زیر بحث آسکیں گی۔ کیا یہ تجاویز منظور ہوسکیں گی۔ یہ الگ سوال ہے۔

سوال:- اگر کوئی گروپ یونین کی نمائندہ اسمبلی میں نہ آنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس گروپ کے متعلق کیا پوزیشن ہو گی۔

جواب - یہ بالکل فرضی سوال ہے - اب عدم تعاون کی صورت میں کیا کرینگے۔ اس صورت میں کوئی صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ لیکن ہمیں آئین ساز مشینری کے متعلق اسی طرح چلنا چاہیئے جسطرح کہ اسے پیش کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص یا اشخاص یا گروپ کسی طرح سے گاڑی کو چلنے سے روکتا ہے تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔ اس کے متعلق میں اس موقعہ پر کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ مگر ہمارا ارادہ کام کو چلانے کا ہے۔

سوال - کیا صوبائی اسمبلیاں نمائندہ اسمبلی کے ممبروں کا انتخاب اسمبلیوں کے باہر سے بھی کر سکتی ہیں۔

جواب - ہاں ہمارے بیان کی رو سے غیر ممبران اسمبلی کا انتخاب بھی ہوسکتا ہے۔

سوال - کیا نظر ثانی کے لئے دس سال کی میعاد کا مطلب یہ ہے کہ دس سال کے لئے یونین کے آئین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

جواب - اس کا مطلب یہ ہے کہ نمائندہ اسمبلی آئین پر نظر ثانی

کی شرائط اور طریق کار کا فیصلہ کرے گی۔ ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ آخر نظر ثانی کے لئے بھی کوئی گنجائش ہونی ہی چاہیئے۔ نظر ثانی کی شرائط کیا ہوں ان کا فیصلہ کرنا نمائندہ اسمبلی کا کام ہے۔ میں اس سلسلہ میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

سوال۔ کیا نمائندہ اسمبلی ٹیکس بمعہ کسٹمز۔ انکم ٹیکس اور دوسرے ٹیکس لگانے کے اختیارات بھی یونین کو دے سکیگی۔

جواب۔ اس شرط کے ساتھ کہ کسی بھی بڑے فرقہ دارانہ سوال کیلئے موجودہ اور ووٹ دینے والے ممبروں کی اکثریت ضروری ہے۔ نمائندہ اسمبلی یونین کے مالیات کے اختیارات کا حسب مرضی مطلب نکال سکتی ہے۔ ایسے بنیادی فارمولا کے مطابق نمائندہ اسمبلی اکثریت کے ساتھ کوئی بھی فیصلہ کر سکتی ہے۔

لارڈ پیتھک لارنس نے کہا کہ کرنسی کو سنٹرل لسٹ میں لانے کا سوال اگر ضروری ہو تو آئین ساز جماعت میں زیر غور ہو سکتا ہے۔

ہندوستانی ریاستوں کے متعلق کئی سوالات کا جواب دیتے ہوئے وزیر ہند نے کہا کہ عارضی وقفہ میں پیرامونٹ پاور جاری رہیگی۔

آپ نے کہا کہ مشن کو بڑی بڑی ریاستوں اور دوسری ریاستوں کے نمائندوں کی طرف سے بیشتر ازیں یہ بتلا دیا گیا ہے کہ وہ سیلف گورنمنٹ اور آزادی کی طرف ہندوستان کی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرنا نہیں چاہتے بلکہ اس میں تعاون کرینگے۔

جہانتک عارضی دور میں انڈیا آفس کی پوزیشن کا تعلق ہے۔ لارڈ پیتھک لارنس نے کہا کہ گذشتہ کئی ماہ سے انڈیا آفس کو اس طریق پہ چلایا جارہا ہے۔ کہ ہندوستان میں اہم آئینی تبدیلیاں ہوں گی۔ اور کہ انڈیا آفس کی ساری پوزیشن تبدیل کرنا پڑے گی۔ اسکی وسیع انتظامیہ مشینری ہندوستان کے نئے آئین پر منحصر ہو گی۔

سوال۔ اگر آئین ساز جماعت یہ فیصلہ کرے۔ کہ اس کے کام کے آغاز کے ساتھ ہی برطانوی افواج نکال لی جائیں۔ تو کیا ایسا کیا جائے گا؟

جواب:۔ میرا خیال ہے کہ یہ خیال غلط فہمی پہ مبنی ہے۔ آخر کوئی تو امن کے قیام کے لئے ذمہ دار ہونا چاہیئے۔ صوبوں میں ہندوستانی حکومتیں نظم و نسق چلاتی ہیں لیکن بہ حیثیت مجموعی مرکزی گورنمنٹ امن کی ذمہ دار ہے۔ ہم جلد از جلد طاقت کو منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ طاقت کا انتقال آئینی گورنمنٹ کو ہی ہونا چاہیئے۔ جب یہ وقت آئے گا ہم طاقت کو منتقل کر دیں گے۔

سوال۔ وزارتی ڈیلیگیشن کا آئندہ اقدام کیا ہوگا۔

جواب۔ ہمارا پہلا کام یہ ہے۔ کہ ہم اس سکیم کو دو بڑے فرقوں سے منظور کرائیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ جلد از جلد ہو جائے گا۔

سوال:۔ عارضی گورنمنٹ میں مسلمانوں کا تناسب کیا ہوگا۔

جواب۔ عارضی گورنمنٹ کا سوال ہم سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا تعلق والیسرائے سے ہے۔

سوال:۔ کیا عارضی وقفہ میں والیسرائے اپنے خاص اختیارات کا استعمال

کر سکے گا۔

جواب :۔ اس کا تعلق وائسرائے سے ہے۔ اور وہ اس سلسلہ میں پارٹیوں سے گفت وشنید کر رہے ہیں۔

لارڈ پیتھک لارنس نے کہا کہ ہم نے تین بڑے فرقوں۔۔ جنرل، مسلم اور سکھ کی تقسیم کسی پارٹی کے مشورہ کے بغیر کی ہے۔ یہ بیان ہمارا اپنا ہے۔ ہندوستان کے کسی فرد کے خیال کا مظہر نہیں۔ مگر یہ بیان ہم نے مختلف ہندوستانیوں سے تمام معاملات کے متعلق بحث کرنے کے بعد تیار کیا۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ مختلف پارٹیاں اسے قبول کر سکیں۔

سوال :۔ کیا کانگرس نے اسے قبول کر لیا ہے۔

جواب :۔ ہم نے یہ بیان اس لئے نہیں دیا کہ کس نے کس بات کو منظور کر لیا ہے۔ یہ ہمارا بیان ہے۔ اور اسکی اپنی اہمیت ہے۔

اس کے بعد پارلیمنٹ میں مسٹر چرچل کی تقریر کی بنا پر کئی ایک سوالات کئے گئے۔

سوال :۔ کیا مسٹر چرچل کا یہ کہنا درست ہے کہ ہندوستانیوں کیلئے مستقبل کے آئین کو بنانے کا کام ہندوستانیوں کی بجائے برٹش گورنمنٹ کے اپنے ہاتھ میں لینا ایک افسوسناک اقدام ہے۔ اس طرح مشن نے اپنے مقصد اور اپنی ہدایات سے تجاوز کیا ہے۔

جواب :۔ یہ کام برٹش گورنمنٹ کے اپنے ہاتھ میں لینے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اگر ہم یہ کام ہندوستان کی پارٹیوں میں سمجھوتہ سے کر سکتے تو یہ ہماری خوشی

کا سبب ہوتا مگر چونکہ سمجھوتہ نہیں ہوا۔ ہم نے سفارشات کرنا مناسب سمجھا ہے اور وائسرائے ہماری سفارشات کی بنا پر نمائندہ اسمبلی کو بلانے کے لئے تیار ہیں۔ ہمارا قیاس ہے کہ جو کچھ ہم نے کیا ہے۔ نہ صرف ہندوستانیوں کی خواہش کے مطابق ہے بلکہ ہمارے ملک کی اکثریت کی خواہش کے بھی۔

سوال :۔ عارضی گورنمنٹ کے قیام۔ نئے آئین کو مرتب کرنے اور بادشاہ کی طرف سے شہنشاہ ہندوستان کا خطاب چھوڑنے کے لئے کونسے اقدامات ضروری ہیں۔

جواب :۔ جہانتک پہلی دو باتوں کا تعلق ہے ان کے متعلق لیجسلیٹو اقدامات ضروری نہیں۔ مگر جہانتک موخرالذکر بات کا تعلق ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ اس کے لئے کسی خاص آئینی اقدام کی ضرورت ہے۔ مگر میری رائے اس سلسلہ میں قطعی نہیں اس سلسلہ میں قدرتی طور پر پارلیمنٹ میں بحث ہو گی۔ اور ملک معظم کے مشورہ سے کوئی نہ کوئی لیجسلیٹو اقدام ضروری ہوگا۔ مگر مجھے اس سلسلہ میں کوئی مشکل نہیں نظر آتی۔ موجودہ لیبر گورنمنٹ کی پشت پر ٹھوس اکثریت ہے۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ پارلیمنٹ میں اسے پاس کرانے کی کوئی مشکل پیش نہیں آئیگی۔

سوال :۔ کیا آپ مسٹر چرچل کے اس بیان سے متفق ہیں کہ آپ نے سلطنت کو حاصل کرنیکے لئے محنت نہیں کی بلکہ اسے کھونے کے لئے کی ہے۔

جواب :۔ میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ہم آج جو کچھ کر رہے ہیں۔ وہ ہمارے بڑے بڑے مدبروں کے خیالات کے مطابق ہے اور یہ آزادی کے متعلق ہماری اعلےٰ روایات کے مطابق ہے۔

اس پریس کانفرنس میں ایک سو سے زیادہ ہندوستانی اور غیر ملکی نامہ نگار شامل ہوئے۔ ان نامہ نگاروں نے مشن کے اعلان کی وضاحت حاصل کی۔

لارڈ پیتھک لارنس نے بڑی ہم آہنگی کے ساتھ سوالات کا جواب دیا۔ اور بعض اوقات سر سٹیفورڈ کرپس نے ان کی مدد کی۔

لارڈ پیتھک لارنس نے یہ واضح کیا کہ مشن اور وائسرائے نے جو کچھ اعلان کیا ہے وہ ایوارڈ نہیں بلکہ آئین کے متعلق بعض بنیادی سفارشات ہیں اس لئے ایوارڈ کو ٹھونسنے کا کوئی سوال نہیں۔ ان حالات میں برطانوی فوجوں کے استعمال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وزیر ہند نے کہا کہ مشن نے جس آئین کی سفارش کی ہے۔ اس میں کسی پارٹی کو نقصان پہنچا کر کسی کو خوش کرنے کے لئے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

نئی اسکیم پارلیمنٹ میں

وزیر اعظم برطانیہ مسٹر کلیمنٹ اٹیلی نے ہندوستان کے آئیندہ آئین کے متعلق وزارتی مشن کی تجاویز دوپہر کے وقت بے تاب و منتظر ہاؤس آف کامنز میں پڑھ کر سنائیں۔ تو ہاؤس نے آپ کو پر جوش چیرز دیئے۔ آپ نے ۳۲ منٹ تقریر کی۔

مسٹر اٹیلی کی تقریر کے فوراً بعد اپوزیشن لیڈر مسٹر چرچل تقریر کرنیکے لئے اُٹھے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ "غور طلب بات یہ ہے۔ کہ کیا ہم سلطنت کو بنانا چاہتے ہیں۔ یا کھونا چاہتے ہیں۔ موجودہ بات چیت میں ایک بات واضح ہے۔ کہ ہندوستان کو علیحدگی کے حق کے ساتھ درجہ نو آبادیات کی پیش کش نہیں کی گئی۔ بلکہ مکمل آزادی کی۔ مجھے یہ معلوم نہیں۔ کہ کیا یہ فیصلہ

ہاؤس کی رائے سے کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ فیصلہ ہمیں ایسا محسوس ہوا۔ ان تجاویز سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے۔ کہ ہندوستان کا آئندہ آئین بنانے کی ذمہ داری خود برطانیہ نے اپنے اُوپر لے لی ہے۔ حالانکہ کرپس تجاویز کے مطابق فیصلہ کرنا خود ہندوستانیوں کا کام تھا۔ وزیر اعظم نے بیان کیا تھا۔ کہ وزارتی مشن ایک ایسی مشینری تیار کریگا۔ جو کہ ہندوستان کی حکومت کا ڈھانچہ مرتب کرے گی۔ اور نیا آئین تیار کرنا خود ہندوستانیوں کے ہاتھ میں دیا گیا تھا۔ موجودہ صورت میں مجھے یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ہم برطانوی حکومت کا فیصلہ تلوار کے زور سے ہندوستانیوں پر ٹھونسنا نہیں چاہتے۔ اگر ہندوستان کے بڑے بڑے فرقے اسے قبول کرنا نہ چاہتے ہوں تو برطانوی حکومت انہیں مجبور نہیں کر سکتی۔

ہم نے اقلیتوں کے متعلق بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں۔ اس لئے وزارتی مشن کے فیصلہ کو بنظر غور پڑھنا ہوگا۔ تاکہ ہم دیکھ سکیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داریاں کہاں تک پوری کی ہیں۔ ہم نے یہ بھی دیکھنا ہے۔ کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہے۔ چھ کروڑ اچھوتوں کے متعلق کیا کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ریاستوں کا تعلق ... ہندوستان و برطانیہ کے ساتھ کس طرح قائم رہے گا۔ ریاستیں خاص معاہدہ جات کی بنا پر برطانوی تاج سے بندھی ہوئی ہیں۔ اور اس کی وفادار ہیں۔ کیا تاج کے تعلقات ریاستوں سے ٹوٹ جائیں گے؟

برطانیہ کی کئی حکومتوں نے متعدد بار اقلیتوں و ریاستوں کے ساتھ

وعدہ کر رکھا ہے۔ کہ اُن کے حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔ اس دستاویز کے مطالعے کے وقت ان سب باتوں کا دھیان کرنا ہوگا۔ اور اس کے بعد ہاؤس میں اس بیان پر بحث کی جائے گی۔ موجودہ صورت میں اس پر فوراً بحث کرنا درست نہیں۔

ازاں بعد مسٹر اٹیلی نے کہا۔ کہ ہم نے چند سال پیشتر جو بات کنیڈا میں کی تھی۔ وہی بات اب ہندوستان میں کر رہے ہیں۔ ہم ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے ہاتھ میں سونپ رہے ہیں۔ میں ہندوستان میں کافی عرصہ رہ چکا ہوں اور میں جانتا ہوں۔ کہ ہندوستان میں حکومت کو کتنی انتظامیہ مشکلات ہیں۔ لیکن ہم اپنی روایات پر کاربند ہیں۔ ہمارا اصول یہ رہا ہے کہ ساری برطانوی سلطنت پر آزادی کا جھنڈا لہرائے۔ اس وقت سب سے بڑی بات جس کے متعلق میں بے چین ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں قحط کا مقابلہ کیا جائے۔ تاکہ کروڑہا فاقہ مست لوگوں کو موت کے منہ سے بچایا جائے۔ ہم ہندوستان کو اپنی قسمت بنانے کا موقع دینا چاہتے ہیں۔

مشن کے اعلان پر برطانوی اخبارات کے تبصرے

برطانیہ کے تمام بڑے بڑے قومی اخبارات نے ہندوستان کے متعلق حکومت برطانیہ کے اعلان کا پہلا عنوان جمایا۔ اور تقریباً سب نے طویل ایڈیٹوریل لکھے۔

لیبر ڈیلی ہیرلڈ نے لکھا۔ کہ اب برطانیہ پر یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ کہ وہ امپیریلزم کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ محض ایک کمیونسٹ ڈیلی ورکر نے اعلان کو ناتسلی بخش قرار دیتے ہوئے اس پر نکتہ چینی کی — اور شکایت کی — کہ اس میں برطانوی فوجوں کی واپسی کا کوئی ذکر نہیں۔ لیکن اس نے بھی لکھا — کہ یہ تجاویز ہندوستان کو مکمل آزادی کی طرف لے جانے میں بھاری امداد دے سکتی ہیں۔

ڈیلی میل۔ حکومت برطانیہ نے بہت جلد بازی سے کام لیا ہے۔

مانچسٹر گارڈین۔ اگر ہندوستانی لیڈر برطانیہ سے نصف ہمت اور اعتماد بھی دکھائیں۔ تو وہ ایک سال کے اندر اندر مکمل آزادی کو حاصل کر سکتے ہیں۔

لنڈن ٹائمز۔ گذشتہ شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد یہ امر واضح ہو گیا تھا۔ کہ ہندوستان کے سیاسی ڈیڈ لاک کو نظر انداز کرنا خطرناک ہوگا۔ مشن نے اس مشکل کام کو نہایت دانشمندی و تدبر سے ایک ایسی سکیم کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو دونوں پارٹیوں کے نقطۂ نگاہ کا درمیانی راستہ ہے۔ سکیم ہذا کے مطابق جہاں ہندوستان کو تقسیم ہونے سے بچا لیا گیا ہے۔ وہاں مسلم عوام کے ہندو غلبہ کے خدشات کو بہت حد تک دُور کرنے کا انتظام بھی کر دیا گیا ہے۔ برطانیہ کی خواہش اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہندوستان کو بالآخر اپنے گھر کے انتظام کا حق دیا جائے۔

ٹائیمز۔ اگرچہ سکیم ہذا کسی پارٹی کو ہی پوری طرح سے مطمئن نہ کر سکے گی لیکن یہ خانہ جنگی کا واحد نعم البدل ہے۔ ہندوستانی لیڈروں کے کندھوں پہ بھاری ذمہ داری ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں۔ کہ وہ صحیح راستہ اختیار کرینگے۔

اگرچہ نئی آئینی سکیم کے خالقوں کا یہ دعوٰے ہے کہ انکی مجوزہ تجاویز موجودہ حالات میں ہندوستان کی فرقہ دارانہ الجھن کا بہترین حل ہیں اور مہاتما جی نے بھی۔ سنا جاتا ہے کہ ایک بیان کے دوران میں نئی پیشکش کو کامیابی کی آشیر وار دیدی ہے لیکن امر واقعہ ہے کہ اگرچہ نئی تجاویز بلحاظ چند امور پچھلی تمام سکیموں سے بہتر ہیں لیکن اگر بہ نظر تحقیق انکا مطالعہ کیا جائے تو انہیں چند ایک انتہائی خطرناک نقائص دکھائی دیں گے۔ قارئین کو محض یہ پڑھکر یا سن کر کہ سکیم میں پاکستان کے اصول کو رد کر دیا گیا ہے بگلیں نہیں بجانا چاہئیں بلکہ متذکرہ بالا نقائص کے دور کئے جانیکا مطالبہ کرنا چاہیئے۔

سب سے پہلا نقص یہ ہے کہ اس سکیم کے زیر عمل صوبجات کو زبردستی اے۔ بی۔ اور سی گروپوں میں منقسم کر دیا گیا ہے۔ اگر اسے چھوٹے پیمانے پر پاکستان سمجھا جائے تو صداقت سے بعید نہیں ہو گا۔ اگرچہ ایک کلاز میں یہ صریحاً بیان کیا گیا ہے کہ صوبجات کو مجوزہ گروہوں سے نکل آنے کا ادھیکار ہے لیکن اسوقت جبکہ نئے انتخابات ہو جائیں اور صوبجات کے نمائندے انفرادی صوبائی و گروپ کے آئین بنالیں۔ یہ ایک نئی جدت ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر صوبجات کو علیحدگی کا حق ہے تو پھر انہیں اپنی مرضی سے گروپ بنانے کی آزادی ہی کیوں نہیں دیدی گئی۔ ہو سکتا ہے کہ صوبائی گروپ کے نمائندے کسی ایک صوبہ کو جو علیحدگی پر آمادہ ہو آئین سازی کے وقت ایسے آئینی جال میں پھنسائیں کہ اسکے بعد اسکے لئے چھٹکارا مشکل ہو۔ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ جسطرح مرکز کے متعلق یہ اعلان کیا گیا ہے کہ جو معاملہ کسی خاص پارٹی یا جماعت سے تعلق رکھتا ہو اُسے متعلقہ جماعت کی اکثریت ہی قبول یا رد کر سکتی ہے۔ اسی طرح سے صوبجات کی پوزیشن کے متعلق بھی یہ اعلان کیا جانا ضروری تھا کہ صوبائی آئین ساز کے وقت کسی ایک صوبہ سے متعلقہ قرارداد کو اسی صوبہ کے نمائندوں کی اکثریت قبول یا رد کر سکتی ہے۔ مثال کے طور پر بی گروپ میں ۳۵ نمائندے ہونگے جنمیں سے ۹ ہندو اور دیگر فرقہ جات اور ۴ سکھ ہونگے۔ ۲۲ مسلمانوں میں سرحدی صوبہ کے محض ۳ نمائندے شامل ہونگے۔ انکی آواز نقارخانے میں طوطی کی آواز کے مترادف ہو گی۔

منطق کی بنا پر دیگر علاقہ جات کے ۱۹ مسلمانوں کی اکثریت کو صوبہ سرحد کے نمائندوں کی رائے نظر انداز کر کے صوبہ سرحد کا آئین بنانے کا کیا حق ہے۔ اُدھر پٹھان ہیں جو ہرگز فرقہ پرستوں کے جنگل میں نہیں آئیں گے۔ نتیجہ کشمکش اور تفرقات کی صورت میں نمودار ہوگا۔ محض صوبجات کا جبراً کسی ایک گروپ میں باندھے جانا ہی نہیں بلکہ صوبہ جات کو مذہب کی بنا پر خطوں میں تقسیم کرنے کا اصول ہی بنیادی طور پر دقیانوسی اور فرسودہ سیاسی نظریے کا آئینہ دار ہے۔

جناح صاحب کو خوش کرنے کے لئے برطانوی مدبّروں نے تمام مسلم اکثریت کے علاقہ جات کو ہی زبردستی علیحدہ علیحدہ گروہوں سے وابستہ نہیں کیا بلکہ اُنکے ساتھ ہی ہندو اکثریت کے علاقہ جات کو بھی پاکستانی خطوں میں شامل کر دیا ہے۔ آسام میں غیر مسلم اکثریت ہے اور اور اس وقت کانگریس وزارت اقتدار میں ہے پھر نہ معلوم کیوں اُسے مُسلم گروپ سی میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح سے کلکتہ اور اُس سے ملحقہ ہندو اکثریت کے علاقہ کو گروپ سی میں اور پنجاب میں ہندو اکثریت کے علاقہ جات۔ ہریانہ۔ جالندھر کانگڑہ وغیرہ کے اضلاع کو گروپ بی میں ٹھونس دیا گیا ہے۔

نیز ہندوستانی ریاستوں کا کیا ہوگا۔ یہ کسی حد تک حوصلہ افزا تحریک ہے کہ ریاستوں پر ملک معظم کے اختیارات خصوصی (Paramountcy) برقرار نہیں رہیں گے۔ لیکن ان اختیارات کو ہندوستان کی مجوزہ مرکزی حکومت میں کیوں منتقل نہیں کر دیا گیا۔ آخر ایسٹ انڈیا کمپنی سے پارلیمنٹ کے زیر اقتدار

لائے جانے وقت بھی تو اختیارات ایک پارٹی سے دُوسری پارٹی میں منتقل کئے گئے تھے۔ ریاستوں سے متعلقہ کُلّی اختیارات کا ہندوستانی راجاؤں کے ہاتھوں میں واپس چلے جانا جمہوری عناصر کی موت ہے۔

نیز ریاستوں کی انڈین یونین میں شمولیت کی شرائط مبہم ہیں۔ ریاستیں ابتدائی آئین ساز اسمبلی میں زیادہ سے زیادہ ۹۳ نمائندے بھیجنگی۔ انہیں کون منتخب کریگا۔ ریاستوں کے حکمران یا پرجا سبھائیں۔ غالباً اوّل الذکر! اگر ایسا ہُوا تو ریاستی نمائندے محض راجاؤں کے ایلچی ہونگے۔ اور متحدہ ہندوستان اور مستحکم مرکزی حکومت بنائے جانے کی بجائے زیادہ سے زیادہ اختیارات راجاؤں کے ہاتھ میں رہنے دیئے جانے پر اصرار کرینگے۔ فرسودہ زمینداری نظام کے یہ ایلچی آزاد ہندوستان کا جمہوری آئین تیار کرنے میں شامل ہونگے! کسقدر مضحکہ خیز بات معلوم ہوتی ہے! جیسا کہ برطانوی مدبّر خصوصاً وہاں کی مزدور پارٹی کے لیڈر بار بار اسبات کا اعلان کرتے ہیں کہ وہ دُنیا میں جمہوریت اور آزادی کے علمبردار ہیں۔ اگر یہ امر واقعہ ہے تو کیوں انہوں نے اعلان میں یہ واضح نہیں کیا کہ ریاستوں کے نمائندے ریاستی رائے عامہ کے نمائندے ہوں۔ رجواڑوں اور راجاؤں کے ایلچی نہ ہوں۔

سکھوں کے ساتھ حیران کن بے انصافی ہوئی ہے۔ انگریز ایک ہی سانس میں متضاد باتیں کہتا ہے۔ ایک طرف سکھوں کو ہندوستان کی تین اہم سیاسی جماعتوں میں سے ایک جماعت تسلیم کر لیا گیا ہے لیکن اُسکے باوجود انہیں

بی گروپ میں مسلمانوں کے رحم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ راقم الحروف فرقہ دارانہ حکومتوں کے قیام کے حق میں نہیں۔ بہتر یہی تھا کہ مجوزہ آئینی سکیم میں مذہب کی بنا پر تقسیم نہ کی جاتی۔ لیکن چونکہ مختلف صوبوں کو ہندو و مسلم اکثریت کے مطابق خطوں میں تقسیم کر کے اور صوبجات کو زیادہ سے زیادہ آزادی دیگر مسلم مطالبات کو منظور کر لیا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سکھوں کو نظرانداز کر دیا جاتا۔ ماسٹر تارا سنگھ نے مشن کے اعلان کے فوراً بعد ایک بیان میں سکیم سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اور اطلاعات مظہر ہیں کہ جب تک سکھوں کو مسلم حکومت کی ماتحتی سے محفوظ نہیں کر دیا جاتا وہ ہر ممکن طریق سے مجوزہ سکیم کی مخالفت کریں گے۔

صوبجات کو "زیادہ سے زیادہ" آزادی دئے جانے کی فکر میں مشن کے ممبران کچھ ایسے بدحواس ہوئے کہ انہوں نے غیر ضروری محکمہ جات کے علاوہ ضروری محکمہ جات کو بھی مرکزی حکومت کے تحت سے خارج کر دیا۔ اسوقت دفاع۔ رسل و رسائل اور خارجی تعلقات کا نظم و نسق مرکزی حکومت کے ہاتھ میں ہوگا۔ لیکن کرنسی۔ محصول و چونگی۔ مال درآمد و برآمد پر محصول وغیرہ کی وصولی۔ اقتصادی بہتری ایسے محکمہ جات کا مرکزی حکومت کے زیر رکھا جانا نہایت ضروری ہے۔ اسکے بغیر ملکی نظم و نسق چلانے میں بڑی دقت پیش آئیگی۔

مشن کے ممبران نے ہندوستان کے عوام کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہمارے خیال میں ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے

باہمی گفت وشنید سے کسی معاہدہ پر پہنچنے کے امکانات بہت کم ہیں۔ اور انہوں نے متنبہ کیا ہے کہ موجودہ سیاسی پیش کش کو ٹھکرا دینے اور حکومت سے عدم تعاون کا مطلب ہوگا "افراتفری۔ بدنظمی اور خانہ جنگی"۔ اور اسکے باوجود نئی سکیم کی پیش کش کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ یہ پیش کش محض "راہ نمائی" کی ہیئت میں ہے۔ ہم کوئی فیصلہ ہندوستانیوں پر زبردستی نہیں ٹھونس سکتے انہیں محض فرقہ دارانہ تصفیہ کی راہ دکھا سکتے ہیں۔ فیصلہ کرنا اور آئین بنانا اُنکا اپنا کام ہے۔

منطق کی بنا پر انکی مختلف سیاسی جماعتوں کے اختلافات میں دخل اندازی نہ کرنے کی خواہش نیک اور مناسب معلوم ہوتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ فرض کیجیئے کوئی ایک سیاسی پارٹی تصفیہ نہ کرنے کا عہد کیئے ہوئے ہو تو کیا اس کا یہ مطلب ٹھہرا کہ ہندوستان قیامت تک غلام رہیگا۔ وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے خود اسپانٹ کا اعتراف کیا ہے کہ "اگر اکثریت کو اقلیت کے حقوق میں دخل اندازی کا حق نہیں تو اقلیت کو اکثریت کی سیاسی ترقی میں سدِ راہ بنے رہنے کا بھی ادھیکار نہیں"۔ جیسا کہ شملہ کانفرنس کے وقت ہُوا اب بھی عین وہی کچھ دہرایا جا سکتا ہے۔ اگر کسی ایک سیاسی جماعت نے مصالحت سے انکار کر دیا۔ پھر کیا ہوگا مشن کے ممبران کہتے ہیں کہ مجوزہ سکیم تو محض ایک "نصیحت" ہے۔ اور سیاسی جماعتوں کے درمیان مفاہمت ناممکن ہے۔ سیاسی الجھن حل ہو تو کیسے۔ اس مشکل کا اطلاق مستقل آئینی تشکیل پر ہی نہیں بلکہ عارضی گورنمنٹ کے قیام پر بھی ہوتا ہے۔

متذکرہ بالا نقائص کے علاوہ ہندوستان کو مکمل آزادی منتقل کیئے جانے اور ہندوستان سے برطانوی فوجیں ہٹائے جانے کا کوئی معین عرصہ مقرر نہیں کیا گیا۔ جتنی جلدی ممکن ہو سکا، بڑا مبہم جملہ ہے۔ اور ہندوستان کے بے چین عوام زیادہ انتظار کی تاب نہیں رکھتے۔

علاوہ بریں۔ ابتدائی آئین ساز اسمبلی کے نمائندے پہلے صوبجات اور صوبائی گروپ کے آئین تیار کریں گے اور اُسکے بعد جب مرکزی یونین کی آئین سازی کے لئے باہم اکھٹے ہونگے تو اُنکے ذہن پہلے ہی فرقہ پرستی سے متعصب ہوں گے۔

لہٰذا یہ معلوم ہُوا کہ اگرچہ پاکستان کے اصُول کو ناقابل عمل اور ناقابل قبول قرار دیدیا گیا ہے لیکن اُسکے باوجود موجودہ سکیم چند بدترین نقائص سے پُر ہے۔ موجودہ اقتصادی مشکلات کی موجودگی میں جبکہ ہندوستان کو ایک انتہائی خوفناک قحط کا خطرہ لاحق ہے۔ اور بعد از جنگ کے مسائل ہمارے سامنے ہیں۔ نیز ہندوستان کو دنیا کی اہم ترین سیاسی و اقتصادی میٹنگوں میں شامل ہونا ہے۔ سب سے بڑھکر اُس ابتری۔ بدانتظامی اور خانہ جنگی کے پیش نظر جو اس سکیم کے رد کیئے جانے کا نتیجہ ہونگی یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سکیم کو آزمایا جائے لیکن قبول کیئے جانے سے پہلے اسے جملہ نقائص سے صاف کیا جانا ضروری ہے ؛

سکیم کا روشن پہلو

باوجود ان نقائص کے جنکا بیان پہلے کیا جاچکا ہے۔ نئی سکیم کے چند ایک روشن پہلو بھی ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ کہ مشن کے اعلان نے پاکستان کی سکیم۔ کو شاہی اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا ہے۔ مشن نے اپنے بیان میں صاف طور پر تحریر کیا ہے کہ "ہم ملک معظم کی گورنمنٹ کو ہرگز یہ مشورہ دینے کیلئے تیار نہیں کہ جو طاقت اس وقت برطانوی گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔ اُسے ایک سے زیادہ خود مختار حکومتوں کے حوالے کیا جائے"۔ مرکزی یونین گورنمنٹ صوبجات کی مقرر کردہ ایجنٹ ہی نہیں ہوگی بلکہ اُسکے اپنے "از خود" اختیارات ہونگے اور تین محکمہ جات۔ دفاع۔ رسل و رسائل اور معاملات بیرونجات۔ کا نظم و نسق مرکزی حکومت کے ہاتھ میں ہوگا اور ان محکمہ جات سے متعلقہ نظم و نسق کو دیدینے کے لئے ضروری رقم کی فراہمی کے لئے وہ گورنمنٹ ٹیکس وغیرہ عائد کر سکیگی۔

ہندوستان کی سیاسی زندگی میں یہ پہلی پیش کش ہے جسمیں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ عارضی گورنمنٹ کے قیام کے دوران میں وائسرائے کی انتظامیہ کونسل کے تمام ممبران ہندوستانی ہونگے اور محکمہ جات دفاع و فوج بھی ہندوستانی نمائندہ کے زیر ہونگے نیز یہ کہ کمانڈر انچیف بھی ہندوستانی نمائندے کے زیر کام کریگا۔

صوبجات کے علاوہ ہندوستان کی مجوزہ گورنمنٹ میں ہندوستانی ریاستوں کی شمولیت کا بھی اہتمام کیا گیا ہے اس سلسلہ میں حوصلہ افزا بات یہ ہے کہ ریاستوں کا براہ راست ملک معظم کی حکومت کے زیر تحت ہونیکا اصول قائم نہیں رہیگا۔ بلکہ نئے سرے سے ریاستوں کو ہندوستان کی آئندہ گورنمنٹ کے ساتھ معاہدہ یا معاہدات کرنے ہونگے۔

اقلیتوں کی حفاظت کے لئے ایڈوائزری کمیٹی کا قیام ایک نئی مگر قابل قدر جدت ہے جو مکمل تقسیم کے اصول کو نظر انداز کئے جانیکے ساتھ ساتھ اقلیتوں کی حفاظت کا اہتمام کرتی ہے۔

بہ حیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگرچہ موجودہ حالات میں یہ عین ملکی مفاد کے موافق معلوم ہوتا ہے کہ سکیم کو آزمایا جائے لیکن جبتک اسے جملہ نقائص سے بری نہیں کر دیا جاتا یہ سکیم ناقابل عمل اور خطرناک ثابت ہوگی۔